کُلّیاتِ آزادؔ

مولانا ابُوالکلام آزاد کے اُردو اور فارسی کلام کا مجموعہ

مؤلّف و مُرتّب

ڈاکٹر ابُوسلمان شاہ جہان پوری

ابُوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان

کراچی ۷۵۸۰۰

نام کتاب: کلیات آزاد

نام شاعر: مولانا ابوالکلام آزاد

نام مولف و مدون: ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری

ناشر: ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان، کراچی

طابع: الحرمن پرنٹرز۔ پاکستان چوک۔ کراچی

اشاعت: ۱۹۹۷ء (اول)

قیمت: ۱۰۰/- روپے

ملنے کا پتا

(۱)

مکتبہ شاہد

علی گڑھ کالونی کراچی ۷۵۸۰۰

(۲)

مکتبہ رشیدیہ

اردو بازار، نزد مقدس مسجد

کراچی ۷۴۲۰۰

۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۹۷ء

پاکستان اور ہندوستان کی آزادی

کے پچاس سالہ جشن مسرت کے موقع پر

دونوں ملکوں کی ترقی و خوش حالی، اختلافات کے

منصفانہ و آبرومندانہ تصفیے

اور

دونوں ملکوں کے مابین خوش گوار برادرانہ تعلقات کی استواری

کے آرزومند

اراکین

ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی

اور

مجلس یادگار شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی

پاکستان

فہرست

عرض مولف

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق میرا ایک ادبی کام "ارمغان آزاد" کے نام سے ۱۹۷۲ء میں مکتبہ شاہد کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ ارمغان آزاد دو حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلے حصے میں مولانا آزاد کا اردو' فارسی کلام تھا اور دوسرے حصے میں الہلال سے پہلے کے متفرق مضامین تھے۔ یہ چوں کہ اپنی نوعیت کا پہلا کام تھا اس لیے کتابت و طباعت کے اغلاط اور اپنی عدم استعداد اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے متعدد خامیوں کے باوجود یہ مجموعہ مضامین نظم و نثر آزاد ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ ۱۹۷۸ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن مولانا آزاد اکیڈمی' کراچی سے شائع ہوا تھا۔ اس میں نہ صرف نظم و نثر کے مضامین کا اچھا خاصا اضافہ تھا' بلکہ پچھلے ایڈیشن کے اغلاط دور کرنے اور خامیوں کی درستگی کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے باوجود اپنی کم نظری کی وجہ سے اس میں بھی بعض اغلاط نے جگہ پالی تھی۔

۱۹۸۸ء کو مولانا آزاد کے صد سالہ پیدائش کے طور پر منانے کے فیصلے کی پہلی اطلاع ۱۹۸۵ء میں ملی تھی۔ میں نے اپنے بے بضاعتی کی پیش نظر اسی وقت سے مولانا کی یاد منانے کا سرو سامان شروع کردیا تھا۔ اس سلسلے میں پہلا کام مولانا آزاد نیشنل کمیٹی پاکستان کا قیام تھا۔ کمیٹی کے تحت جو ابتدائی اشاعتی منصوبہ بنایا گیا تھا وہ تقریباً ایک درجن کتابوں پر مشتمل تھا' لیکن اختتام چوبیس کتابوں کی اشاعت پر ہوا۔ اس منصوبے میں "دیوان آزاد" بھی شامل تھا۔ اس وقت تک مزید کلام بھی دستیاب ہوگیا تھا اور دوسرے ایڈیشن کی بعض خامیاں بھی علم میں آگئی تھی۔ اس دوران میں چوں کہ نثر کے چند مضامین مزید دستیاب ہوگئے تھے' اس لیے طے یہ پایا کہ کلام کو الگ کرکے دیوان آزاد کے نام سے چھاپنے کے بجائے آزاد صدی کے سلسلے میں "ارمغان آزاد" ہی کو نظر ثانی اور اصلاح و اضافہ کے بعد تیسرے ایڈیشن کے طور پر چھاپ دیا جائے۔ بعد میں نظم و نثر کو "دیوان آزاد" اور "ابتدائی دور کے مضامین" کے نام سے الگ الگ شائع کردیا جائے گا۔

جہاں تک مولانا آزاد کے صد سالہ پیدائش کے حوالے سے مولانا آزاد نیشنل کمیٹی پاکستان

موقع میسر نہ آسکا۔ لیکن جو کچھ بھی اور جس انداز میں شائع ہوا تھا' اس نے خاکسار کا جوش ٹھنڈا کردیا۔ لیکن دیوان کی اشاعت کے باوجود اس کی اشاعت کی ضرورت باقی رہ گئی تھی جس سے زیادہ عرصے تک صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ زیر نظر اشاعت کا اہتمام اس ضرورت کی تکمیل کے خیال سے کیا جارہا ہے۔ اس دوان میں مولانا کی دو مزید غزلیں دستیاب ہوگئی تھی' انھیں بھی اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔

"ارمغان آزاد" میں شاعری کے حصہ کا عنوان کلام ابوالکلام آزاد ہے۔ الگ اشاعت کی صورت میں اس کا نام "دیوان آزاد" رکھنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر شکیل نے اپنی کاوش کے لیے "کلام ابوالکلام آزاد" عنوان تجویز کیا تھا۔ اگر ان کے لیے اس کا موقع باقی ہوتا تو وہ ایک صفحے کے مزید چربے سے اس صفحے کی کتابت کی زحمت سے بھی بچ جاتے لیکن محترم ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے منتخبہ نام "دیوان آزاد" نے ہمارے لیے اس کے نام کا مسئلہ بھی پیدا کردیا۔ اب ہمارے لیے کسی نئے نام کی تلاش بھی ضروری ہوگئی تھی۔ غور کے بعد اسے "کلیات آزاد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مولانا آزاد کی شخصیت کا ہر پہلو ابھی عرصہ تحقیق میں ہے۔ روز بروز نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں ان کی شخصیت اور فکر وفن کے نئے نئے پہلو تلاش کیے جارہے ہیں اور سیرت وخدمات کی نئی نئی جہتوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔ ان کے افادات و آثار کا کوئی نیا باب کسی وقت بھی کھل سکتا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سلسلہ کب تک دراز رہے گا! کسی شخص اور اس کے کاموں اور افکار وسیرت پر رائے دینے وقت کا وہی ہوتا ہے' جب اس کے تمام حالات واقعات اور اس کے بارے میں تمام معلومات سامنے آجائیں اس وقت کے انتظار کے لیے بڑے صبرواستقامت کی ضرورت ہوتی ہے' جو ایک محقق کا خاصہ ہونا چاہیے' لیکن ایک عقیدت کیش اور ارادت مند سے اس صبر واستقامت کی توقع ہرگز نہ رکھنی چاہیے۔

خاکسار نے اپنے آپ کو عقیدت مندوں اور ارادت کیشوں کے زمرے میں رکھا ہے اور

کے اشاعتی منصوبے کا تعلق ہے' چوبیس کتابوں کی اشاعت پر ۱۹۸۹ء میں ختم کرنا پڑا۔ اگرچہ منصوبے کی بعض کتابیں اشاعت سے رہ گئیں تھیں جو بعد میں شائع ہوئیں۔ مثلاً'' جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد 'لسان الصدق' کلکتہ (۵۔۳۔۱۹۰ء) کی عکسی اشاعت اور الخیام (از ابو النصر غلام یاسین آہ دہلوی) کی اشاعتیں ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء میں منصۂ شہود پر آئیں۔

جب ''ارمغان آزاد'' کے حصہ اول ''دیوان آزاد'' کو الگ چھاپنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ پروفیسر ڈاکٹر عبد الغفار شکیل' علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی' علی گڑھ) اس کی اشاعت میں سبقت لے جا چکے ہیں۔ انھوں نے پہلے اسے ادارہ تحقیقات اردو ''پٹنہ'' کے علمی و تحقیقی مجلّے (معیار و تحقیق) (۱۹۸۹ء) میں شائع کرایا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا'' خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری'' ''پٹنہ'' کے سلسلہ مطبوعات میں اسے شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن کتابی شکل میں دیوان میری نظر سے نہیں گزرا۔

حضرت امام الہند ابو الکلام آزادؒ پر کوئی شخص کام کرتا ہے تو وہ خواہ کسی نوع و معیار کا ہو' اس سے خوشی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر شکیل تو اپنی کاوش کے لیے ہمارے شکریے کے بہت مستحق ہیں۔ ان کے سامنے ارمغان آزاد کا تیسرا ایڈیشن ہوتا تو بہت اچھا تھا۔ اس میں تصحیح متن کا بھی زیادہ اہتمام تھا اور کلام بھی زیادہ تھا۔ یا اگر ان کے سامنے دوسرا ایڈیشن ہی تھا تو وہ اس میں بعض کتابت کی اور بعض دیگر اغلاط کی درستگی پر توجہ فرمائے' اپنے خاص ذرائع سے اس میں معتدبہ کلام کا اضافہ فرماتے اور اس کے عکس کے بجائے نئی عمدہ کتابت کرائی جاتی تو کیا ہی خوب ہوتا!

میرا خیال ہے کہ مولانا آزاد پر ہندوستان میں تحقیق کے زیادہ ذرائع اور موجود ہیں۔ اس لیے ہندوستانی محققوں اور مصنفوں سے زیادہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ان کے کاموں میں زیادہ جامعیت اور تحقیق کا معیار بلند ہوگا۔ ہم دور افتادہ عقیدت کیش ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان کے کاموں سے استفادے کے متمنی رہتے ہیں۔ یہ ہماری محض کم نصیبی ہے کہ ہمیں ڈاکٹر شکیل صاحب کی بہترین صلاحیت' اس کام کی اعلیٰ قابلیت اور انھیں حاصل بہت وسائل اور وسیع ذرائع سے استفادے کا

یہ طے کر لیا ہے کہ حضرت مولانا کے آثار و نوادر جوں جوں دستیاب ہوتے ہیں ۔ حالات و وسائل کے مطابق ان کی اشاعت کا انتظام کردیا جاتا رہے گا چناں چہ اس وقت تک لسان الصدق کلکتہ (۵۔۱۹۰۳ء) پیغام کلکتہ (۱۹۲۱ء) اور الہلال سے پہلے کے دستیاب متفرق مضامین اور اب تک کل دستیاب شدہ کلام مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے ۔ ابتدائی دور کے معلوم و موجود مضامین و تحریرات میں وہ' لکھنؤ میں موجود تحریرات باقی ہیں اور چوں کہ اس کی عکسی اشاعت مطلوب ہے ۔ اس لیے تاخیر ہو رہی ہے

مولانا آزاد کا منظوم کلام اب نئی صورت میں "کلیات آزاد" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے ۔ شاعر کی حیثیت سے ہمیں اپنے ممدوح کو وقت کے کسی بڑے شاعر تو درکنار چھوٹے شاعر کے مقابلے میں بھی پیش نہیں کرنا چاہیے ۔ اس لیے کہ وکچھ شاعری ذریعہ نہ عزت تھی اسے' لیکن مولانا کی شخصیت کے مطالعے اور ان کے ذہنی ارتقا میں ان کی شاعری کا بھی ایک مقام ہے' ان کا کاروان حیات کبھی اس منزل سی بھی گزرا تھا ۔ اور اس مقام کے رنگ وبو نے اپنے کچھ نشان بھی ان کے دامن شخصیت پر ڈالے تھے ۔ آج خواہ ان کی فنی حیثیت کچھ نہ ہو' لیکن یہ ایک عظیم فنکار کے ابتدائی نقوش ہیں اور اس کی شخصیت اور فن کے مطالعے میں ان کی حیثیت مسلم ہے ۔ ہم جب بھی ان کے ذوق اور فکر و فن کے مطالعے کا قدم آگے بڑھائیں گے ہمیں اس مقام پر قدرے ٹھہر کر اور اس کے رنگ و بو کا مزہ لے کر ہی آگے بڑھنا پڑے گا ۔ ان کی شاعری کو نظرانداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتے ۔ امید ہے کہ مولانا کے ارادت مندوں اور ادب اور فن کا ذوق رکھنے والوں میں اس چھوٹے سے کام کی اہمیت کا اعتراف اور اسے پسند کیا جائے گا

ابو سلمان شاہ جہان پوری

۳۰۔ اپریل ۱۹۹۷ء

دیباچہ

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم و مغفور کا نام زبان پر آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی ایک شخص کا تذکرہ نہیں ہو رہا ہے بلکہ بیک وقت کئی اشخاص زیرِ بحث ہیں۔ اور ان میں سے ہر شخص اپنے فن میں یکتائے روزگار، اور شہنشاہِ علم و فن ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کی بے شمار دولتوں اور فکر و نظر کی بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ دین کے متبحر عالم تھے، اور مختلف علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ میں وسیع نظر رکھتے تھے، انھیں فن تجوید، علم کلام، منطق اور مناظرہ وغیرہ میں عبور حاصل تھا۔ علم ہیئت اور فلسفۂ قدیم و جدید پر ان کی ناقدانہ نگاہ تھی۔ دساتیر و قوانین کا نہ صرف مطالعہ کرنے والے بلکہ بنانے والے تھے، تاریخ عالم کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک پہلو پر نظر تھی، جغرافیہ عالم میں ان کو کمال حاصل تھا۔ وہ اُردو زبان کے بے مثال ادیب و انشا پرداز تھے، لسانیات، لغات، اصطلاحات کے مسائل سے خاص دلچسپی تھی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ فارسی زبان کے نکات انھوں نے اہل زبان سے سیکھے تھے، اور ان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں سے بہ خوبی واقف تھے اور ان زبانوں کی تاریخ پر عبور اور ادب کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ وہ ہر زبان کے بڑے بڑے ادیبوں، مصنّفوں اور شاعروں کی تخلیقات پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔ مذکورہ زبانوں میں ادب، تاریخ، مذہب اور فلسفہ کا تمام بہترین سرمایہ ان کی نظر سے گزر چکا تھا، ہندو اور چینی فلسفہ و مذاہب کا مطالعہ انھوں نے زیادہ تر انگریزی کی مدد سے کیا تھا۔ اُردو صحافت کے دامن میں انھوں نے اب سے پون صدی پیشتر جو کچھ ڈال دیا تھا، آج تک اس میں اضافہ نہ کیا جا سکا۔ خطابت میں ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ ان کی طاقتِ لسانی کے سامنے برٹش حکومت اپنی تمام آہنی اور جنگی طاقتوں کے ساتھ لرزتی رہی، عملی سیاست میں انھوں نے اس وقت قدم رکھا اور برٹش امپریلزم کے قصرِ عظمت پر اس وقت ضرب لگائی جب بڑے بڑے رہنماؤں کا اس میدان میں دور دُور پتا نہ تھا۔ بڑے بڑے رہنما جو بعد میں رہنمایان آزادی میں شمار ہوئے ان کی دعوت سیاسی کی سب سے بلند پرواز برٹش حکومت کی کاسہ لیسی کی زندگی اختیار کر لینے پر مبنی تھی۔ نظری سیاست میں بھی ان کا مقام دنیا کے بڑے سیاست دانوں میں تھا۔ مفکر تعلیم کی حیثیت سے برصغیر کی وہ

ایک اہم شخصیت تھے۔ ہندوستان کو انھوں نے اپنے دورِ وزارت میں اپنے افکار اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے اتنا مالا مال کر دیا کہ اس کے تذکرے کے لیے جدید ہندوستان کی تاریخ تعلیم میں ایک طویل اور نمایاں باب ہوگا۔ دنیا کے امن کے لیے تاریخ و جغرافیہ کی تعلیم کا انھوں نے ایک خاص تصور اور نظریہ پیش کیا ہے۔ اثری تحقیقات ان کا محبوب موضوع تھا، اور اس سلسلے میں قدیم اور جدید ترین معلومات و تحقیقات ان کے علم اور مطالعے میں تھیں۔ طب پر ان کی زبان کھلی تو طب قدیم و جدید کے نظریوں اور طریقِ علاج اور منضج، مسہل، تبرید، تکمید سے لے کر ریشہ خطمی اور گاؤزبان تک کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ اور اپنی معلومات کا بڑے بڑے حکیموں سے لوہا منوا لیا۔ مصوّری میں ان کا مطالعہ اتنا وسیع اور ان کی نظر اتنی گہری تھی کہ وہ نہ صرف اس کی تاریخ بلکہ عہد بہ عہد ترقی اور ہر عہد کی خصوصیات سے واقف تھے۔ موسیقی کا ذوق ان کی طبیعت میں رچا بسا تھا اس کو انھوں نے عملی لحاظ سے سیکھا تھا۔ اور فنی لحاظ سے اس کی تکمیل کی تھی۔ ہندوستان میں لکھنؤ اور آگرہ اور بیرونِ ہند عراق اور بغداد کے ماہرینِ فنِ موسیقی سے بحث مباحثہ رہتا تھا۔ ڈراما اور سینما وغیرہ کی تاریخ اور اس کی تدریجی ترقیوں سے وہ ایک صاحبِ مضمون کی طرح واقف تھے۔ مشرقی لباس اور کھانوں کا تذکرہ ہو یا مشرقی کوفنوں کی تاریخ، وہ ہر موضوع پر اپنی معلومات اور مطالعے کی وسعت سے سننے والوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ علوم و فنون کی جزئیات پر بھی وہ اصحابِ علوم و فنون کی طرح نظر رکھتے تھے۔

جعفری خاندان کی تاریخ ہو یا پٹھانوں کی تاریخ ان کے خاندانوں کا بیان وہ اس تفصیل اور روانی سے کرتے تھے کہ خود صاحبِ علم و مطالعہ جعفری اور پٹھان بھی حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ حقہ کی تاریخ اس کی تدریجی ترقی، عہد بہ عہد اس کی شکل میں تبدیلی، اس کی "نے" کی مختلف شکلیں، ان کی لمبائی، موٹائی اور شکل کے اختلاف سے اس کی آواز پر معمولی اثر، پتنگ کی تاریخ، اس کی مختلف شکلیں، ان کے اڑانے اور لڑانے کے طریقے، چائے کی تاریخ، کاشت، اس کی اقسام اور اس کے ذائقے کا تذکرہ ہو، پان کی تاریخ، اس کی قسموں مختلف زمانوں اور ملکوں میں پان بنانے کی ترکیبوں کا تذکرہ ہو، بلبلوں اور ان کی نسلوں کا بیان ہو، پھول پودے اور اُن کی اقسام زیرِ بحث ہوں یا پرندوں اور جانوروں کی نفسیات پر قلم اٹھائیں۔ وہ ہر چیز کا بیان اس تفصیل سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والے نہ صرف ان کے قلم کی ندرت کاری اور بیان کے حسن پر عش عش کر اٹھتے ہیں بلکہ ان کے علم و مطالعہ کی وسعت، حیرت انگیز قوتِ حافظہ، اور بے نظیر قوت

استحضار کا اعتراف کرتے ہی بن پڑتا ہے ۔ یہ کمال کچھ ان کی طلاقتِ لسانی ہی کا نہیں تھا بلکہ یہ ان کی قابلیت اور حافظہ و استحضار کی بے نظیر صلاحیتیں تھیں۔ ان کی طلاقتِ لسانی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ اگر ارہر کی پتلی دال اور بیچ نکلے ہوئے چاولوں کو دنیا کی لذیذ ترین اور مفید ترین غذا ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ یا تہبند، بنیان اور معمولی چپل کو وہ دنیا کا عمدہ ترین لباس ثابت کرنا چاہتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے انکار کر سکتا۔

ابوالکلام کے علم و فضل کے جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا یہ وہ پہلو ہیں جن کا ذکر اور جن کا اعتراف ملک اور بیرون ملک کے علما و مشاہیر کر چکے ہیں یا ابوالکلام کی زندگی کے وہ گوشے ہیں جو لوگوں کے علم میں آگئے ہیں ۔ ان کے ایک وجود میں علم و فضل کی ایسی کتنی ہی دنیائیں آباد تھیں جن کا لوگ پتا بھی نہ چلا سکے ۔ اور کسی طرح لوگوں کے احاطۂ علم میں نہ آسکیں۔ علامہ نیاز فتحپوری نے مولانا مرحوم کی اسی جامعیت کے متعلق فرمایا تھا :

> "مولانا کی جو خصوصیات دنیا پر ظاہر ہو سکیں وہ اس سے بہت کم تھیں جو چھپی ہوئی رہ گئیں، حالانکہ وہ بہت زیادہ وزنی اور گراں قدر تھیں ۔ ان کی ہستی کے بہت سے امکانات دنیا پر ظاہر نہ ہو سکے ۔
>
> وہ امکانات کیا تھے ؟ ان کا تعین اور صراحت آسان نہیں تاہم جس حد تک میرے ذاتی ربط اور مطالعے کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر ان کی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل کر وہ نہ ہو جاتی جو ہمارے سامنے آئی تو وہ خدا جانے کیا کیا ہو سکتے تھے ۔ وہ اگر عربی شاعری کی طرف توجہ کرتے تو متنبی اور بدیع الزماں ہوتے ۔ اگر وہ مذہب اور مذہبی اصلاح کو اپنا شعار بنا لیتے تو اس عہد کے ابن تیمیہ ہوتے ۔ اگر محض علوم حکمیہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تو ابن رشد اور ابن طفیل سے کم درجے کے متکلم اور فیلسوف نہ ہوتے ، اگر وہ فارسی شعر و ادب کی طرف متوجہ ہوتے تو عرفی اور نظیری کی صف میں انھیں جگہ ملتی ۔ اگر وہ تصوف اور اصلاح اخلاق کی طرف مائل ہوتے تو غزالی اور رومی سے کم نہ ہوتے ، اگر وہ مسلکِ اعتزال اختیار کرتے تو دوسرے واصل بن عطا ہوتے ۔
>
> مولانا عجیب و غریب دماغی اہلیتیں لے کر پیدا ہوئے تھے جن کو زمانے

نے یا ان کی خلوت پسند طبیعت نے ابھرنے کا موقع نہ دیا اور آج ہم انھیں صرف الہلال اور البلاغ کے رئیس التحریر یا تذکرہ، ترجمان القرآن اور غبارِ خاطر کے مصنف کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہونے کی تمام صلاحیتیں اپنے اندر رکھتے تھے۔

ابوالکلام کو خود بھی اپنی جامعیت علوم و فنون اور فکر و نظر کی وسعتوں کا احساس تھا۔ ایک موقع پر بے ساختہ ان کے قلم سے چند جملے نکل گئے۔ فرماتے ہیں:

"افسوس ہے کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سروسامان نہ کرسکا، غالب کو تو صرف اپنی ایک شاعری ہی کا رونا تھا۔ نہیں معلوم میرے ساتھ قبر میں کیا کیا چیزیں جائیں گی۔

نارروا بود بہ بازارِ جہاں جنسِ وفا　　رونقے گشتم و از طالع دکاں رفتم

بعض اوقات سوچتا ہوں تو طبیعت پر حسرت و الم کا ایک عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے، مذہب، علوم و فنون، ادب، انشا، شاعری کوئی وادی ایسی نہیں ہے جس کی بے شمار راہیں مبداء فیاض نے مجھ نامراد کے دماغ پر نہ کھول دی ہوں۔ اور ہر آن اور ہر لحظہ نئی نئی بخششوں سے دامنِ دل مالا مال نہ ہوا ہو۔ بہ حدیکہ ہر روز اپنے آپ کو عالم معنی کے ایک نئے مقام پر پاتا ہوں اور ہر منزل کی کرشمہ سنجیاں پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیاں ماند کر دیتی ہیں:

مَا زِلْتُ اَنْزِلُ فِیْ وِدَادِکَ مَنْزِلاً　　یَتَحَیَّرُ الْاَلْبَابُ عِنْدَ نُزُوْلِہَا

لیکن افسوس! جس ہاتھ نے فکر و نظر کی ان دولتوں سے گراں بار کیا، اس نے شاید سروسامانِ کار کے لحاظ سے تہی دست رکھنا چاہا۔ میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد و محل کا آدمی نہ تھا، مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔"[1]

یہ اشارات تو ان کے علم و فضل کی جانب تھے، ان کی شخصیت کے اور بہت سے پہلو ہیں۔ مثلاً اُن کی شخصیت کا جو پہلو سب سے پہلے دامن شوق و عقیدت کو اپنی جانب کھینچتا ہے، وہ ان کی زندگی کا اٹھان ہے۔ انھوں نے ایک مخصوص عقاید و افکار کے خاندان میں آنکھیں کھولیں ایک مخصوص ماحول میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ لیکن فطرتِ سلیمہ نے اس

---

[1] نقش آزاد (خطوط ابوالکلام آزاد) مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۵۸ - ۱۵۷۔

ماحول سے بغاوت کی اور اُن عقاید و افکار کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حق کی طلب و جستجو نے انھیں شک و انکار اور الحاد و فسق کی وادیوں کی بھی خاک چھنوائی۔ لیکن ان کے بخت کی فیروز مندی انھیں ہر نشیب و فراز سے صحیح سلامت منزلِ مقصود کی طرف لے گئی۔ اسلام کی صداقت کے متعلق شکوک و شبہات کے تمام کانٹے دل سے نکل گئے۔ اور یقین و ایمان کی کھوئی دولت دوبارہ مل گئی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

علم و فضل کے بعد ان کی سیرت کا پہلو آتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے علمی فضائل و محاسن کا پہلو عظیم الشان تھا یا اخلاقی کمالات کے لحاظ سے وہ بڑے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے عظیم الشان تھے۔ چھوٹوں کے لیے ان کا وجود سرتاپا شفقت و رحمت، دوستوں کے ہمدرد و غم گسار۔ نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کے لیے ہمہ تن دعا و سلامتی، لیکن فراعنۂ وقت کے مقابلے میں کبھی ان کی کج کلاہی نہ گئی۔ اوچھوں سے ہمیشہ درگذر کیا، کم ظرفوں کو کبھی منہ نہ لگایا اور ان کی کسی بات کا کبھی جواب نہ دیا۔ غلط کاروں کو ہمیشہ معاف کر دیا، مخالفوں سے بدلہ لینے کا کبھی خیال بھی دل میں نہ لائے۔ کچھ عاقبت نااندیشوں نے نوجوانوں کو بھڑکایا، اور ان سے اخلاق و شرافت کی حدود تڑوائیں، عقیدت مندوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہا۔ مولانا آڑے آئے۔

"میرے بھائی!" انھیں معاف کر دو۔ یہ بچے ہیں، ان کی کوئی خطا نہیں۔"

دوستوں نے مجبور کیا، مولانا زبان کھولیں۔ جواب ملا، "میرے بھائی! موسمی ہوائیں ہیں گزر جائیں گی۔"

اخبار نویسوں نے ردِعمل معلوم کرنا چاہا۔ فرمایا:

"کوئی شخص گالی دے کر اپنی عزت میں اضافہ نہیں کر سکتا۔"

جس بات کو انھوں نے غلط سمجھا، غلط کہا، اور جس بات کو انھوں نے صحیح جانا۔ ببانگِ دہل صحیح کہا۔ اور اس کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ ان کے نزدیک حق کے معاملے میں عوام کا اشتعال اور دوستوں کی ناراضگی اضافی چیزیں تھیں۔ مخالفتوں کے طوفان آئے اور بڑے بڑے اصحابِ عزم و ہمت تنکوں کی طرح بہہ گئے لیکن اس کوہِ استقلال کو کوئی چیز اس کی جگہ سے جنبش نہ دے سکی۔ مصائب و حوادث نے بہت سوں کا وقار خاک میں ملا دیا لیکن ابوالکلام جس مقام پر تھے اس سے نیچے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، عوام کے سیلاب کے

گے بڑے بڑے، خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور رہنمائی کے مقام بلند سے ترجمانی کے مقام اسفل میں اتر آئے۔ لیکن ابوالکلام کے نزدیک عوام کے جذبات خواہ کتنے ہی تیز و تند کیوں نہ ہوں، انھیں مطاع و مرجع نہیں بنایا جا سکتا۔

یہی وہ مقامِ عزیمتِ دعوت تھا جہاں سقراط نے زہر کا پیالا پیا۔ گلیلو نے موت کو خوش آمدید کہا۔ امام احمد نے پیٹھ پر کوڑے کھائے۔ اور ابن تیمیہ نے قید و بند کی سختیوں کو لبیک کہا، ابوالکلام کے حصے میں بھی تلخیوں کے گھونٹ اور نفرتوں کے جام آئے۔ انھوں نے صبر و شکر کے ساتھ ان کو پی لیا۔ اور اُف تک نہ کی۔

صحیح اعتراض ہو تو آدمی خاموشی سے سن لیتا ہے۔ لیکن لغو اعتراضات اور بہتان تراشیوں پر کون شخص اپنی زبان بند رکھ سکتا ہے۔ لیکن ابوالکلام نے جب ایک مرتبہ عہد کر لیا کہ جو شخص ان کے خلاف مناظرانہ رنگ میں کچھ کہے گا یا لکھے گا۔ اس کے خلاف نہ کچھ لکھیں گے اور نہ حرفِ شکایت زبان پر لائیں گے۔ تو پھر کبھی نہ کسی کے رد اور جواب میں ان کا قلم اٹھا، نہ زبان پر کسی کا شکوہ آیا۔ مدت العمر وہ اپنے اس عہد پر قائم رہے۔ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

ان کے علم و فضل اور سیرت کے ساتھ ان کی خدمات کا پہلو سامنے آتا ہے۔ اس کے اتنے میدان ہیں جتنے کہ علم و فضل اور فکر و نظر کے لحاظ سے ان کی شخصیت کے پہلو ہیں۔ علمی و عملی زندگی کے مختلف میدانوں میں انھوں نے جو خدمات انجام دیں انھیں کوئی مورخ نظرانداز نہیں کر سکتا۔

ایسی باکمال اور پہلو دار شخصیت کے علوم و معارف کے احاطے، فضائل و محاسن کے ذکر اور خدمات کے تذکرے کے لیے علما کے بڑے بڑے مجامع، عظیم الشان اکیڈمیوں اور ان کے بے شمار وسائل اور قرنوں کی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان پر قلم اٹھانے کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے بلاشبہ وہ مجھ میں نہیں ہیں مجھے ان پر قلم اٹھانے اور ان کے تذکرے کا حق نہیں پہنچتا تھا۔ لیکن مولاؔنا سے میری عقیدت اس وقت کا انتظار نہ کر سکتی تھی، جب اکابر اہلِ علم اس جانب توجہ فرمائیں۔ میں نے اپنی معمولی صلاحیت کے مطابق جو کچھ مجھ سے ہو سکا کیا۔ آیندہ اہلِ علم اور باصلاحیت لوگ اسے اپنا موضوع بنائیں گے اور اپنے اعلیٰ معیار اور علمی ذوق کے مطابق کام کریں گے۔

پیش نظر کتاب مولانا آزاد کی باکمال اور ہمہ جہت شخصیت کے صرف ایک پہلو کے ایک دَور یعنی ان کی ابتدائی ادبی زندگی سے تعلق رکھتی ہے ۔ اس میں مولانا کے ابتدائی چند مضامین اور کچھ کلام جو اس وقت تک دستیاب ہو گیا تھا یک جا کر دیا ہے ۔ اس کتاب کی اشاعت سے حقیقتاً مقصود یہی ہے کہ مولانا کے مضامین نظم و نثر کے جو نقوش مختلف اخباروں اور رسالوں میں بکھرے ہوئے ہیں، وہ یک جا اور محفوظ ہو جائیں ۔

مولانا کی شاعری کے جو نقوش سامنے آئے ہیں وہ فکر و فن کے لحاظ سے خواہ قابل التفات نہ ہوں ۔ لیکن مولانا آزاد کی شخصیت اور اس کے ارتقا، ان کے افکار و نظریات اور فن کے مطالعے اور تجزیے میں ان کی بڑی اہمیت ہے ۔ اس لیے انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

مولانا آزاد کی شاعری

(۱)

اس بارے میں اب کوئی شبہ نہیں کہ مولانا آزاد نے شاعری شروع کی تو ان کی عمر گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ تھی، شعر و شاعری کے ابتدائی ذوق و شوق کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں :

"یہ عجیب بات ہے کہ درسیات کے باہر جس چیز سے میں سب سے پہلے آشنا ہوا وہ شاعری تھی۔ مجھے یہ ٹھیک یاد نہیں پڑتا کہ پہلے پہل میں کیوں کر اس چیز سے واقف ہوا۔ لیکن یہ اچھی طرح یاد ہے کہ زیادہ شوق اس کا مولوی عبدالواحد خاں[۱] سہسرامی ایک شخص کی وجہ سے ہوا جو مولوی محمد فاروق چریا کوٹی کے ایک مستعد شاگرد تھے اور اُردو فارسی کا اچھا ذوق رکھتے تھے، وہ ایک غریب گھرانے کے آدمی تھے۔ ان کی بہن ہم لوگوں کے یہاں گھر کے اوپر کے کام کے لیے ملازم تھیں۔ اس تعلق سے ان کی بھی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی اس وقت میری عمر دس گیارہ[۲] برس سے زیادہ نہ تھی، دوپہر کے وقت وہ آیا کرتے تھے اور بہن سے ملتے تھے۔ اس میں ہم لوگوں سے بھی بات چیت ہونے لگی، اور پھر ہمارے باہر کے درس کے اوقات میں بھی آنے لگے، اس زمانے میں کلکتہ میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا، اس کا انتظام پٹنہ کے بادشاہ

---

[۱] جناب مالک رام نے مولانا آزاد کی غیر مطبوعہ تحریر کے حوالے سے عبدالواحد خاں کا تخلص 'ذیب' لکھا ہے۔ مولانا کی یہ غیر مطبوعہ تحریر وہ ہے جو انھوں نے اپنے حالات میں مولوی عبدالشاہد خاں شروانی مرحوم کے بعض سوالات کے جواب میں لکھی تھی۔

[۲] مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کے نام مولانا آزاد کی ایک حالیہ دستیاب شدہ تحریر کے مطابق مولانا کا سالِ پیدائش ۱۳۰۳ھ (مطابق ۱۸۸۶ء) ہے۔ اس لیے یہاں پر دس گیارہ کے بجائے بارہ تیرہ برس سمجھنا چاہیے۔ مولانا کا جو اوّلیں مطبوعہ کلام دستیاب ہوا ہے وہ بھی ۱۸۹۹ء کا ہے۔ یہ کلام شاعری کے شوق کے بالکل اوائل کا ہے۔ اس وقت مولانا کی عمر تیرہ برس کی تھی۔

میاں نامی ایک رئیس نے کیا تھا۔ اس کے لیے کلکتہ سے باہر کے بھی مشہور اشخاص مثلاً جلالؔ مرحوم بلائے گئے تھے۔ تین طرحیں دی گئی تھیں، جن میں سے ایک یہ تھی:

مطلب کی بات صاف کہوں کیا مجال ہے۔

تین دن تک مسلسل مشاعرہ جاری رہا تھا، مولوی عبدالواحد نے غزلیں لکھی تھیں اور مشاعرے میں پڑھی تھیں۔ انھوں نے اس کا حال ہم لوگوں کو سنایا اور اپنی غزلیں بھی سنائیں۔ یہ پہلی منظم دل چسپی ہے، جو میرے حافظے میں شاعری کی نسبت پائی جاتی ہے۔ مجھ پر ان کا بہت اثر پڑا، اور اب ان سے اس بارے میں صحبتیں رہنے لگیں۔ اردو شعرا کا وہ ذکر کرتے، ان کے مقابلے اور معرکے اور لطائف سناتے، خاص خاص اشعار کے متعلق جو واقعات مشہور ہیں ان کا ذکر کرتے اور میری دل چسپی روز بروز بڑھنے لگی۔[1]

شعر گوئی کی جِلا کے لیے اساتذہ کے کلام کا مطالعہ بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر زبان و بیان کے باریک نکتے نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس سے نئے نئے خیالات ذہن میں آتے ہیں اور اظہارِ خیال اور اندازِ بیان کے نئے نئے اسلوبوں سے طبیعت آشنا ہوتی ہے۔ مولانا نے اس غرض سے اساتذہ کے دواوین خریدے اور ان کا مطالعہ کیا۔ فرماتے ہیں:

"چنانچہ میں نے بعض اساتذہ مثلاً سوداؔ، میر وغیرہ کے دواوین خریدے اور فرصت کے وقت میں ان کا مطالعہ کرنے لگا۔ ساتھ ہی خود بھی کہنے کا شوق ہوا، اور روز بروز طبیعت میں اس کا شوق اور کاوش بڑھتی گئی، چناں چہ مختلف زمینوں میں بہت سے اشعار کہے۔ مگر چوں کہ خود اعتمادی پیدا نہیں ہوئی تھی اس لیے مولوی عبدالواحد خاں کو بھی کبھی نہیں سنائے۔ اسی شوق کی وجہ سے میں نے پہلے پہل تذکرہ آبِ حیات خریدا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کا دیباچہ اور مقدمہ اور اردو زبان و شاعری کی ابتدا کا تاریخی بیان اچھی

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ عبدالرزاق ملیح آبادی۔ حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی، ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۲۷۔

طرح میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ابتدا میں مجھے اس طریقے سے بڑی وحشت ہوئی کہ صرف آزاد لکھ کر ایک بیان شروع ہوگیا۔ میں نے وہ حصہ چھوڑ دیا اور جہاں سے شعرا کے حالات شروع ہوتے ہیں، مطالعہ شروع کر دیا۔ اور مجھے اتنی دل چسپی ہوئی کہ ان تمام شعرا کے کلیات اور دواوین خرید کر اور تذکرے کے اقتباسات کو اصلی مواد میں تلاش کر کے نکالا "حیاتِ سعدی" اور "یادگارِ غالب" بھی اسی زمانے میں منگوائی گئیں"۔ ؎۱

مولانا کی پہلی غزل :

اس زمانے کا نمونہ کلام دستیاب نہیں۔ البتہ مولانا کی پہلی غزل جو انھوں نے ارمغانِ فرخ (بمبئی) کی طرح میں کہی تھی اور کسی دوسرے شخص (عبدالواحد) کو سنائی تھی اس کے چند شعر جو مولانا کو یاد تھے محفوظ ہیں۔ پہلی غزل کہنے کی روداد اور اس پر مولوی عبدالواحد سہسرامی کی تحسین کا تذکرہ مولانا ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

"اس زمانے میں بمبئی سے ایک نیا گلدستہ "ارمغانِ فرخ" نکلا تھا اور کلکتہ میں بعض لوگ اس کی طرحوں پر ماہوار مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے سب سے پہلی غزل جو میں نے لکھ کر دوسروں کو سنائی وہ اسی کی ایک طرح میں تھی اس میں طرح ہوئی تھی :

"پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی "

اور کلکتہ کے مشاعروں میں یہی طرح قرار پائی تھی۔ عبدالواحد نے اپنے چند اشعار اس میں سنائے اور مجھ کو اس درجہ شوق ہوا کہ بڑی کوشش و جاں کاہی سے تقریباً تیس شعر لکھ کر ان میں سے سترہ شعر منتخب کیے۔ تاہم طبیعت مطمئن نہ تھی اور کسی کو سناتے ہوئے ہچکچاتی تھی، بار بار حک و اضافہ کے بعد جب اپنے خیال میں اچھی طرح تیار ہوگیا تو میں نے عبدالواحد خاں کو مطلع سنایا وہ سنتے ہی پھڑک اٹھے اور اس قدر تعریف کی کہ میں جامے میں نہ سمایا۔ اور طبیعت کو ایک عجیب قسم کی فرحت حاصل ہوئی ایک ایسا نشہ چڑھ گیا کہ معلوم ہوتا تھا گویا ایک

؎۱ ایضاً ص ۲۳۸۔

غیر معمولی فتح مندی حاصل ہوئی ہے۔ جب اور شعر سنائے تو ہر شعر پر کھڑے ہو ہو کر انھوں نے تحسین کی اور بھائی مرحوم جو اس وقت تک میدان میں نہیں آئے تھے۔ میری اس کامیابی کو دیکھ کر بچپنے کے رقیبانہ رشک میں مبتلا ہو گئے۔ اس سے مجھے اپنی کامیابی پر اور مسرت ہوئی اور عبدالواحد خاں کے بار بار جرأت دلانے پر میں تیار ہو گیا کہ غزل اشاعت کے لیے بھیجوں۔"[1]

مولانا نے اس غزل کے تین شعر مولانا غلام رسول مہرؔ مرحوم کے نام ایک خط میں خود تحریر فرمائے ہیں[2]

اس غزل کا ایک شعر مولانا کی بہن آبرو بیگم کو یاد تھا، انھوں نے خواجہ احمد فاروقی کو سنایا تھا۔[3]

مشاعرے میں پہلی غزل :

دوسرے دن مشاعرہ تھا۔ مولانا کو خود تو مشاعرے میں شریک ہونے کی ہمت نہ ہوئی، عبدالواحد خاں کو غزل دے دی انھوں نے مشاعرے میں پڑھی۔ مولانا فرماتے ہیں :

"اس کے دوسرے ہی دن مشاعرہ تھا، خود تو جانے کی جرأت نہ ہوئی انھیں کو غزل دے دی، اور انھوں نے مشاعرے میں پڑھی، وہاں کی تعریف خصوصاً مصرع طرح کی تضمین کی ترجیح پر مشاعرے کا اتفاق جب صبح کو مجھے سُنایا گیا تو میں بالکل مخمور ہو گیا۔"[4]

اوّل تو مولانا کی طبیعت ہی شاعرانہ واقع ہوئی تھی اس پر عبدالواحد خاں کی تحسین، مشاعرے کی تعریف، مصرع طرح کی تضمین کی ترجیح پر سب کا اتفاق ان سب باتوں نے شعر گوئی کے سمندِ شوق کے لیے تازیانے کا کام کیا، مولانا نے عبدالواحد خاں کے اصرار ہی سے اُسے اشاعت کے لیے بھیج دیا۔

مولانا فرماتے ہیں :

"اس دن کی خوشی مجھے اب تک یاد ہے، جب ارمغانِ فرخ چھپ کر آیا

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص۲۳۹ [2] نقشِ آزاد، لاہور، ۱۹۵۸ء ص ۱۰۷۔
[3] ماہنامہ آج کل، دہلی۔ ماہ نومبر ۱۹۵۹ء۔ [4] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص۲۴۰۔

اور پہلی مرتبہ میں نے اپنی غزل اس میں چھپی ہوئی دیکھی، انتظار کی وہ لذت بھی یاد ہے جو ایک مہینے تک اس کے لیے برداشت کرنی پڑی تھی۔" [1]

مولانا کی اس غزل کے چار شعر "ارمغان فرخ"، کے شمارہ جنوری ۱۸۹۹ء (صفحہ ۴) میں شائع ہوئے تھے۔ مطلع اور مقطع اس میں شامل نہیں۔

اب اس شوق میں اس وقت کے تمام گل دستے منگوانے شروع کیے اور اپنا کلام بھی بالالتزام ان میں بھیجنا شروع کیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اب یہ ہوا کہ کوئی گلدستہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو میں نہ منگواتا ہوں اور اس میں غزل نہ بھیجتا ہوں۔" [2]

مشاعرے کی پہلی شرکت:

مولانا کو شعر کہتے ۶، ۷ مہینے ہو گئے تھے، لیکن مشاعرے میں شرکت کا ابھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ اتنی کم عمری میں ایک شاعر کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آتے حجاب آتا تھا۔ بلکہ بڑی وجہ یہ تھی کہ مولانا آزاد کے والد اس وقت تک دن میں بھی کہیں آنے جانے نہ دیتے تھے جب تک خادم ساتھ نہ ہو۔ صرف نمازوں کے اوقات میں مسجد تک جانے کی اجازت تھی، مشاعرے چوں کہ رات کو ہوتے تھے اس لیے گھر سے نکلنا ناممکن تھا۔ بہ ہر حال چھ سات ماہ کے بعد انھیں پہلی بار مشاعرے میں شرکت کا موقع ملا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"سب سے پہلی مرتبہ مشاعرے میں غزل پڑھنے کا جو مجھے اتفاق ہوا، وہ ابتدائے شعر گوئی سے چھ سات مہینے بعد کا واقعہ ہے پہلے کبھی اس کا اتفاق نہیں ہوا، اور نہ کبھی کسی مشاعرے میں شرکت کی تھی، مشاعرے شب کو ہوا کرتے تھے اور ہمارے گھر کی پابندیاں ایسی تھیں کہ شب کو نکل ہی کب سکتے تھے۔ اوّل تو ویسے بھی اشعار سنانے کی اگر مشق نہ ہو تو سنانا دشوار ہوتا ہے۔ پھر مشاعرے میں پڑھنے کا ایک خاص اسلوب ہے اور ناآشنا آدمی اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں پہلی ہی دفعہ مشاعرے میں شریک ہوا، اور

---

[1] ایضاً [2] ایضاً

غزل پڑھی اور لوگوں نے استقبال کیا۔ گویا مدتوں سے کوئی ممتاز جگہ رکھتے آئے ہوں۔" [1]

کلکتہ کے چند مشاعرے:

اس زمانے میں کلکتہ کے شاعروں اور مشاعروں کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

"اس زمانے میں کلکتہ میں عام نومشق لوگوں کے شمس مرحوم بحیثیت استاد کے سمجھے جاتے تھے وہ نسّاخ مرحوم کے لڑکے تھے اور نواب عبداللطیف کے بھتیجے تھے، داؔغ مرحوم کے شاگرد تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بنگال میں ان سے بہتر اردو پر قدرت رکھنے والا کوئی شاعر نہیں ہوا۔ وہ ان مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور بڑی تعریف کرتے تھے۔ اس زمانے میں رضا علی وحشت بھی نئے نئے شعر کہنے لگے تھے، اور شمس مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔

دو تین مجلسوں کے بعد ہی سے ہم دونوں بھائی مشاعرے میں اس حد تک ممتاز ہو گئے گویا ہمارا شمار اساتذہ میں تھا اور یہ بات مان لی گئی تھی کہ ہمارے آگے سب سے آخر میں شمع آنی چاہیے۔ کئی مجلسیں ایسی بھی ہوئیں کہ جن میں باہر کے اچھے اچھے شعرانے بھی شرکت کی۔

ایک مشاعرہ نواب سعید احمد خاں طالب مرحوم کی موجودگی کی وجہ سے ہوا تھا اور "نظر آئی" اور "ادھر آئی" طرح ہوئی تھی۔ میں نے اس میں مسلسل سہ غزلہ سنایا تھا، چند مشاعروں میں تو ایسی خاص کامیابی ہوئی تھی کہ لوگوں نے بالاتفاق ہماری غزلوں کو حاصل مشاعرہ قرار دیا تھا۔ یا کسی خاص شعر پر مجلس کی مجلس لوٹ گئی تھی۔

اس زمانے کی مدہوشیاں بھی عجیب تھیں۔ یہ چیزیں بہت بڑی کامیابی معلوم ہوتی تھیں، حالاں کہ یہ ظاہر ہے کہ وہ مشاعرے ہی کیا تھے اور ان میں جو لوگ شریک ہوتے تھے ان کی تحسین و تقبیح کیا مفید ہو سکتی تھی، بیچارے سب نہیں

---

[1] ایضاً ص ۲۲۴۔

کلکتہ کے نومشق لوگ ہوتے تھے بجز شمسؔ مرحوم کے اور کوئی شخص کلکتہ میں وقیع حیثیت شاعری میں نہیں رکھتا تھا۔ ہاں البتہ کہنہ مشق لوگوں میں شہرتؔ مرحوم ایک خاص شخص تھے۔ لیکن جو کچھ بھی ان میں تھی کہنہ مشقی اور پُرگوئی تھی، ورنہ نہ تو کوئی خاص رنگ تھا اور نہ شاعری کا خاص ذوق۔ البتہ بتدیوں میں رضا علی وحشتؔ اس وقت بھی بہت اچھا کہنے لگے تھے اور کچھ شک نہیں کہ روز بہ روز ان کا ذوق ترقی کر رہا تھا۔

ایک اور مشاعرہ جو طالب مرحوم ہی کی تحریک سے ان کے بعض دوستوں نے کیا تھا اور یہ طرح تھی "اِدھر دیکھ رہے ہیں۔ اُدھر دیکھ رہے ہیں" وہ کلکتہ کے عام مشاعروں کے اعتبار سے ایک خاص مجلس تھی۔ طالب مرحوم کے علاوہ پٹنہ اور لکھنؤ کے بھی بعض شعرا موجود تھے۔ شوقؔ نیموی بھی ڈھاکا جاتے ہوئے کلکتہ آگئے تھے اور شریک ہوئے تھے۔ اس میں خاص طور پر طالبؔ مرحوم نے میرے مطلع کی اس قدر تعریفیں کیں کہ میرا دماغ آسمان پر چڑھ گیا۔ حالاں کہ وہ مطلع اب میں سوچتا ہوں تو وہ نہایت معمولی تھا۔ اس شاعرے کی غزلیں انھوں نے دلی میں ایک گل دستے کی شکل میں شائع کر دی تھیں[۵]"

"ارمغانِ فرخ"، کے جنوری اور فروری ۱۸۹۹ء کے پرچے دستیاب ہوئے ہیں۔ دونوں میں مولانا کی غزلیں موجود ہیں۔ جنوری کے پرچے میں مولانا کی وہ غزل ہے جس کا طرح یہ تھا:

پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

مولانا آزاد نے اِس پر اِس طرح گرہ لگائی تھی:

آزادؔ بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ　　　پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

فروری کے شمارے میں مولانا کی ایک اور غزل کے چار شعر مطلع کے بغیر چھپے ہیں۔ اس کا مقطع یہ ہے:

آزادؔ اُن کی ترچھی نظر سے نہ خوف کر　　　یہ تیر وہ نہیں جو کلیجے کے پار ہو

---

[۵] ایضاً ص ۴۶-۲۴۵

اس شمارے میں اور اسی طرح میں مولانا آزاد کے بھائی ابو النصر آہ کے بھی دو شعر چھپے ہیں۔ ایک شعر یہ ہے :

گھبرا نہ جائے اے دلِ مضطر دہ مجت کہیں   اتنا نہ تو خدا کے لیے بے قرار ہو

ان دو شماروں کے علاوہ میرے علم میں نہیں کہ کسی صاحب کو ارمغانِ فرخ کا کوئی شمارہ دستیاب ہوا ہو۔

مولانا کی ایک غزل "خدنگ نظر" لکھنؤ بابت ماہ جون ۱۸۹۹ء میں ملی ہے جس کی طرح یہ تھی :

تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہو گیا

اس طرح کا اعلان مارچ کے پرچے میں کیا گیا تھا اور ۱۵ر مئی تک غزلیں مانگی تھیں۔ پھر اپریل کے نمبر میں ۱۵ر جون تک اس مدت میں توسیع کا اعلان کیا گیا۔ جون کے نمبر میں تمام غزلیں اسی طرح میں ہیں۔ آخر میں چند غزلیں طرح ماہ گزشتہ میں بھی ہیں۔

مولانا کی یہی وہ غزل ہے جو اپریل ۱۹۰۳ء کے مخزن لاہور میں شائع ہوئی، البتہ اس غزل کا یہ شعر

تم نے مارا غیر کو اور رشک نے مارا مجھے
اس نے تن پر کھائیں تلواریں میں بسمل ہو گیا

مخزن میں نہیں ہے اور یہ شعر مخزن میں اضافہ ہے جو خدنگ نظر میں نہیں تھا :

قیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب نجد میں
ہر بگولا دشت کا، لیلیٰ کا محمل ہو گیا

اس طرح دونوں اشاعتوں میں اگرچہ تعداد چھ ہے لیکن ایک شعر مختلف ہے۔ مخزن میں مقطع کے مصرعِ اولیٰ میں "بن گیا" کی جگہ "ہو گیا" ہے۔

خدنگ نظر کے کچھ پرچے ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی نظر سے گزرے ہیں، انھوں نے اس کے مختلف شماروں میں مولانا کی مندرجہ ذیل منظومات کی نشان دہی کی ہے۔

۱۔ غزل   جنوری ۱۹۰۰ء
۲۔ غزل   مئی ۱۹۰۰ء
۳۔ قطعۂ تاریخ انتقالِ امیر مینائی۔ نومبر ۱۹۰۰ء

۴۔ قطعۂ تاریخ جشن تاج پوشی شاہ انگلستان اگست ۱۹۰۲ء

اس میں جشن تاج پوشی کا قطعہ تو وہی ہے جو اپلیخ، پٹنہ میں "مثنوی متضمن بہ تہنیت تاج پوشی حضور ملک معظم" کے ساتھ شائع ہوا تھا اور اردو ادب کے حوالے سے "ارمغان آزاد" کے پہلے ایڈیشن میں بھی شامل تھا۔ اب یہ قطعہ پروفیسر افضل حق قرشی (لاہور) کی عنایت سے خدنگ نظر میں مل گیا ہے۔ اس قطعے کی دونوں اشاعتوں میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ امیر مینائی کے انتقال کا قطعہ "مولانا آزاد البم" میں مل گیا۔ البتہ غزلیں ابھی ہماری دسترس سے باہر ہے۔

اس زمانے میں مولانا بہت سے گلدستوں میں اپنا کلام اشاعت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ لیکن مولانا نے اس زمانے کے بعد چوں کہ شاعری کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ انھوں نے اپنا کلام محفوظ نہیں رکھا۔ کبھی شاعری کا ذکر آیا تو محض تفنن طبع کے طور پہ

گزر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پہ بھی

اور اس زمانے کے گل دستے اب دستیاب نہیں۔ اس لیے مولانا کا ابھی تک بہت سا کلام اہل علم کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور کیا تعجب کہ پوشیدہ ہی رہ جائے اور دستیاب ہو تو کب؛ کچھ نہیں کہا جاسکتا!

۱۹۰۰ء میں مولانا کی ایک نعت جو پانچ شعروں کی ہے، گلدستہ سفینۂ نجات، بمبئی کے اپریل کے شمارے میں چھپی تھی۔ اس نعت کے چار شعر بہ تغیرِ ادنیٰ ماہنامہ صحن چمن نگینہ (ضلع بجنور) کے شمارہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہونے والی تین نعتوں میں سے۔ پہلی نعت میں شامل ہیں۔

امتحان:

مولانا نے اتنی چھوٹی عمر میں شاعری شروع کی تھی اور پھر عمر کو دیکھتے ہوئے شعر بھی اچھے خاصے نکالنے لگے تھے، میرے خیال میں شاعر کی حیثیت سے ایک خاص حلقے میں ان کی شہرت اور مشاعروں میں مقبولیت اس کم عمری میں اچھے خاصے شعر کہہ لینے کی وجہ سے تھی۔ لیکن کئی لوگ ایسے بھی تھے جو یقین نہ کرتے تھے کہ جو کلام مولانا مشاعروں میں سناتے ہیں وہ ان کا اپنا ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مولانا کے والد شاعر ہیں، وہ انھیں کہہ دیتے ہوں گے، اور یہ اسے اپنے نام سے مشاعروں میں پڑھ دیتے ہیں۔ نادر شاہ خان شوخی

کو مولانا کے بارے میں یہی شبہ تھا۔ لیکن جب مولانا نے ایک موقعے پر ان کے دیے ہوئے مصرعِ طرح پر فی البدیہہ سات شعر کہہ دیے تو ان کا شبہ دور ہوا۔ یہ دل چسپ روداد خود مولانا نے اپنے قلم سے تحریر فرمائی ہے، لکھتے ہیں :

"مرزا غالب کے آخری عہد کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخیؔ[1] رام پور کے باشندے کلکتہ میں مقیم تھے، انھیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ جو غزلیں میں سناتا ہوں میری ہی کہی ہوئی ہیں، ایک دن مسجد سے نکل رہا تھا کہ ان سے مڈبھیڑ ہو گئی، مجھے پکڑ کر ایک کتب فروش کی دکان پر لے گئے جس کی دکان مسجد سے متصل تھی۔ کہنے لگے ایک شاگرد نے جان عذاب میں ڈال دی ہے، میں بیمار ہوں، وہ غزل کے لیے متقاضی ہے۔ چند شعر اسی وقت کہہ دو۔"

---

[1] شوخی رام پوری، نادر شاہ خاں رام پوری، شوخؔ تخلص بھی کرتے تھے۔ والد کا نام محمد ضامن خاں تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ دہلی، ڈیرہ دون، بنارس اور کلکتہ میں بہ سلسلۂ تلاشِ معاش و ملازمت مقیم رہے، (خم خانۂ جاوید) ۱۸۶ ء میں غالب کے سفر رام پور کے موقع پر ان سے رشتہ تلمذ اختیار کرنے کا دل چسپ واقعہ مولانا آزاد نے غلام رسول مہرؔ کے نام ایک خط میں لکھا ہے (نقش آزاد) بنارس کے قیام کے زمانے میں میرزا قادر بخش صابرؔ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آخری زمانہ کلکتہ میں بسر ہوا۔ مولانا آزاد کا امتحان لینے کا واقعہ یقیناً ۱۸۹۹ء کا ہے۔ ۱۳۱۷ھ (۱۹۰۰-۰۱ء) میں کلکتہ میں انتقال ہوا۔ میرے خاندان کے ایک بزرگ حوالدار عبد الغفار خاں جوہرؔ شاہجہاں پوری۔ اس زمانے میں کلکتہ میں مقیم، وائسرائے کے باڈی گارڈ میں اور شوخی مرحوم کے شاگرد تھے۔ ان کے دیوان (قلمی) پر شوخی کی اصلاحیں ہیں، اور آخر میں شوخی مرحوم کے انتقال کا قطعۂ تاریخ بہ ایں عنوان و اشعار موجود ہے :

قطعۂ تاریخِ وفات جناب اوستادی نادر شاہ خاں صاحب شوخیؔ مرحوم مغفور

حیف نادر شاہ خاں عالی خیال — رفت از دارِ فنا سوے جناں
بود اُو نادرِ کلام و نکتہ سنج — بود او خوش طبع، خوش دِل خوش بیاں
فکرِ عالی داشت چوں رفعت گزیں — او زمینِ شعر را کرد آسماں
شد چناں ماتم بپا از مرگِ اُو — گوئیا آمد قیامت در جہاں
بہرِ سالِ رحلتش کلکم نوشت — شوخیِ نادر بیان و پاک جاں

۱۳۱۷ھ

میں سمجھ گیا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے زمین تبلائی۔ "یاد نہ ہو۔ شاد نہ ہو" میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے چھ شعر کہہ دیے۔ کہنے لگے" اشعار کی تعداد طاق ہونی چاہیے، میں نے ایک شعر اور کہہ دیا:

وعدۂ وصل بھی کچھ طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی ان کو کبھی یاد نہ ہو!

کہنے لگے " صورت سے تو دس بارہ برس کے صاحبزادے معلوم ہوتے ہو۔ لیکن خدا کی قسم عقل باور نہیں کرتی"[1]

اسی قسم کا واقعہ مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے ساتھ پیش آیا۔ مولانا ان سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے، لیکن جب ملاقات ہوئی تو انھیں شک ہوا کہ جو کلام وہ اصلاح کے لیے بھیجتے ہیں، انھی کا ہوتا ہے۔ لیکن جب دو، چار دن وہ رہے ان سے علمی مسائل پر گفتگوئیں ہوئیں اور پھر ان کے دیے ہوئے مصرعے پر غزل کہہ کر انھیں دکھلا دی تو ان کا شک دور ہوا۔[2]

(۲)

نیرنگِ عالم:

شاعری کے شوق کی تکمیل کے لیے انھوں نے "نیرنگ عالم" کے نام سے ایک گلدستہ نکالا۔ نیرنگِ عالم کن ولولوں اور تمناؤں کے ساتھ منصۂ شہود پر آیا تھا۔ مولانا کے الفاظ میں پڑھیے:

"طبیعت کا یہ شوق اس قدر بڑھا کہ ایک گل دستہ نکالنے کا خبط ہوا۔ گویا اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ شاعری کی تکمیل کے لیے اس منزل کا طے کرنا بھی ضروری ہے۔ گل دستہ بلا روپے کے نکل نہیں سکتا تھا۔ مگر اس وقت کے خیالات بھی عجیب تھے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ جس قدر بھی روپے کی ضرورت ہے صرف پہلے نمبر کے لیے ہے، اور جہاں ایک نمبر نکل گیا تو تمام دنیا اس

---

[1] نقشِ آزاد (خطوط مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور، ۱۹۵۸ء ص ۸۔ ۱۰۷

[2] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، محولۂ بالا، ص ۲۱۲۔

طرح اس کے انتظار میں ہے کہ فوراً ہزاروں آدمی اس کے خریدار ہو جائیں گے ۔۔ پھر روپے کی کیا کمی رہے گی ۔

چناں چہ ہم نے اس وقت کے بچپنے اور طالب علمی کی بے سروسامانی میں پچاس روپے کا انتظام کیا ۔ لیتھو کا ایک پریس " ہادی پریس" کے نام سے ہریسن روڈ کلکتہ میں تھا ۔ والد مرحوم کی بعض چیزیں وہاں چھپا کرتی تھیں ۔ ہم نے وہیں طباعت کا انتظام کیا اور فوراً اعلان چھاپ کر شائع کر دیا ۔ اعلان کا مضمون عبدالواحد نے لکھا تھا ۔ اس کا نام "نیرنگِ عالم" تجویز کیا گیا ۔ اس تصور سے کس قدر طبیعت کو مسرت حاصل ہوئی تھی کہ عن قریب ایک ایسی چیز نکلے گی ۔ جس کی لوح پر میرا نام بہ حیثیت مہتمم و ایڈیٹر کے درج ہوگا ، پہلے نمبر کے لیے ۔ طرح " ملنے کے لیے اور مچلنے کے لیے " قرار دی تھی ۔ چناں چہ غزلیات کا کافی ذخیرہ فراہم ہوگیا ۔ جلال مرحوم شوق ، خورشید جاوید ، اختر ، احسان شاہجہان پوری سے خاص طور پر غزلیں منگوائی تھیں اور انھوں نے بھیج دی تھیں چناں چہ پہلا نمبر چھپ کر شائع ہوا ، اور اب اپنی توقع کے مطابق ہم اس انتظار میں ہوئے کہ کم از کم ایک ہزار خریدار دوسرے نمبر کی اشاعت سے پہلے فراہم ہو جائیں گے ۔ لیکن اس کا نتیجہ ظاہر تھا ۔ بہ مشکل ڈیڑھ سو درخواستیں آئیں ، اور ان میں سے تھوڑے ہی آدمیوں نے پیشگی قیمت بھیجی ۔ تاہم ہم نے ہمت نہ ہاری ، اور چند مہینوں تک اسے جاری رکھا ۔" [1]

نیرنگِ عالم کے پرچے ابھی تک کہیں دستیاب نہیں ہوئے ، اس لیے اس کے زمانۂ اشاعت کا قطعی تعین تو مشکل ہے ۔ لیکن زمانے کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے ۔ خدنگ نظر لکھنؤ بابت ماہ جون ۱۸۹۹ء میں مولانا کی جو غزل چھپی ہے ۔ اس میں ان کا نام اس طرح چھپا ہے :

" آزاد ۔ جناب مولوی غلام محی الدین مہتمم گلدستہ نیرنگِ عالم" ان الفاظ نے یہ مسئلہ صاف کر دیا کہ نیرنگ عالم کا زمانہ ۱۸۹۹ء ہے ، اگرچہ اس کے اجرا و بندش کے مہینوں کا تعین اس سے بھی زیادہ نہیں ہوتا ۔ لیکن سال اور اس کے حصے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ۔

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۴۳ ۔

یعنی وسط ۱۸۹۹ء میں نیرنگ عالم کے وجود کا پتا چلتا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا کی شاعری کی ابتداء ۱۸۹۸ء میں ہوئی ہوگی۔ چند ماہ کی مشق کے بعد انھوں نے وہ غزل بھی جو مولوی عبدالواحد سہسرامی کو سُنائی اور ارمغان فرخ کی اشاعت جنوری ۱۸۹۹ء میں چھپی تھی۔ اس کے بعد کچھ کلام کی اشاعت مشاعروں میں شرکت اور لوگوں کی داد و تحسین نے انھیں گلدستہ نیرنگِ عالم نکالنے کی ہمت دلائی ہوگی۔

نیرنگِ عالم کا ابھی تک کہیں کوئی پرچہ دستیاب نہیں ہوا۔ اس لیے مولانا کے اس میں مطبوعہ کلام پر بھی پردہ پڑا ہوا ہے۔

مثنوی اور دیوان :

۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۳ء کی درمیانی مدت مولانا کی شاعری کے عروج کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں انھوں نے فارسی شاعری کی طرف بھی توجہ کی۔ اس زمانے میں مولانا نے فارسی میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔ فرماتے ہیں :

"اس زمانے میں فارسی شاعری کی طرف بھی طبیعت کو توجہ ہوئی اور نل ودمن کے وزن پر ایک مثنوی لکھنا شروع کی۔" [۱]

"ذکرِ آزاد" میں جہاں مولانا نے اپنی ۱۳ برس سے ۱۸ برس کی عمر تک کی تصانیف کا ذکر کیا ہے، وہاں دیوان غزلیات کا نام بھی ملتا ہے [۲]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنی غزلیات کو مجموعے کی صورت میں مرتب کر دیا تھا۔

مولانا کی وفات کے بعد ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ جن مصنفات و مسوّدات کا علم ہوا ہے۔ ان میں مثنوی یا دیوان غزلیات نہیں ہے۔ اس لیے یقین کر لینا چاہیے کہ مولانا کا کلام ان کی زندگی ہی میں ضائع ہو گیا تھا۔

---

[۱] ایضاً ص ۲۴۳

[۲] ذکرِ آزاد ص ۲۸۱

(۳)

عبدالواحد خاں :

مولانا آزاد کو شاعری کا شوق مولوی عبدالواحد خاں سہسرامی المتخلص بہ ادیب کی وجہ سے ہوا، ابتدائً انھیں سے مولانا مشورہ سخن کرتے تھے۔ اس لیے شاعری میں مولانا کا پہلا استاد انھیں کو سمجھنا چاہیے۔ موصوف مولوی محمد فاروق چریا کوٹی کے ایک مستعد شاگرد تھے۔ مولانا کے یہاں ان کی آمد و رفت ہوئی تو وہ مولانا کو اپنی غزلیں سناتے، اردو شعرا کا ذکر کرتے، ان کے مقابلوں اور معرکوں کے قصّے اور لطیفے سناتے، خاص خاص اشعار کے متعلق جو واقعات مشہور ہیں ان کا ذکر کرتے، اس سے مولانا کی دلچسپی شاعری سے روز بروز بڑھنے لگی۔ اسی شوق میں مولانا نے مختلف شعرا کے دواوین منگوائے اور مطالعہ شروع کیا۔ ساتھ ہی خود بھی طبع آزمائی کرنے لگے۔ لیکن اس وقت مولانا کے الفاظ میں حالت یہ تھی کہ "چوں کہ خود اعتمادی پیدا نہیں ہوئی تھی اس لیے مولوی عبدالواحد خاں کو بھی نہیں سنائے" چوں کہ اس وقت تک مولانا کا شوق کسی پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ خود ہی غور و فکر سے کام لیتے اور کاٹ چھانٹ کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد جب مولانا کا یہ شوق مولوی عبدالواحد خاں پر ظاہر ہو گیا تو ان سے مشورہ بھی کرنے لگے تھے۔ اور مولانا ہی کے بقول ان سے بہت مدد ملتی تھی۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں :

> "اب رات دن طبیعت پر غالب ذوق اس کا رہنے لگا تھا، اس وقت تک شعر گوئی کی حالت یہ تھی کہ نہایت فکر و کاوش سے خود کہتا اور خود ہی کاٹ چھانٹ کرتا رہتا۔ باقاعدہ کسی سے اصلاح نہیں لی تھی ۔ مولوی عبدالواحد خاں سے بہت مدد ملتی رہتی تھی ۔ گو وہ خود کچھ بہتر نہیں کہتے تھے۔ لیکن واقفیت اچھی تھی " [1]

اس لیے باقاعدہ تو نہیں غیر رسمی طور پر مولوی عبدالواحد خاں کو شاعری میں مولانا آزاد کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۴۱ ۔

امیر مینائی :

مولانا پوری طرح اس میدان میں آگئے اور اپنے ذاتی غور و فکر کاٹ چھانٹ اور عبدالواحد خاں کے مشورے اور اصلاح اور ان کی مدد کو کافی نہ سمجھا تو کسی باقاعدہ استاد کی تلاش ہوئی۔ امیر مینائی چوں کہ اس زمانے میں استاد کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ مولانا کی نظر نے آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور اپنی دو غزلیں ان کی خدمت میں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ انھوں نے اصلاح کر کے فوراً واپس کر دیں لیکن مولانا کی طبیعت ان کی اصلاح سے مطمئن نہ ہوئی مولانا فرماتے ہیں :

"اب خیال پیدا ہوا کہ کسی مستند استاد کی شاگردی بھی کرنی چاہیے۔ چناں چہ پہلے منشی امیر احمد مرحوم کو دو غزلیں بھیجیں، اور انھوں نے اصلاح کر کے فوراً واپس بھیج دیں۔ لیکن میری طبیعت کچھ زیادہ خوش نہ ہوئی۔"[۱]

میرا خیال ہے کہ امیر مینائی کی شاگردی کا زمانہ اواخر ۱۸۹۹ء ہوگا، اس لیے کہ ۱۹۰۰ء کے شروع میں امیر نے حیدر آباد دکن کا سفر کیا تھا۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۰ء کو ایک ماہ نو دن بیمار رہ کر حیدر آباد دکن ہی میں انتقال کیا :

افسوس تجھ کو رحم نہ آیا کچھ اے اجل — مارا کہاں امیر غریب الدیار کو

داغ مرحوم نے دعائیہ تاریخ کہی :

ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی — قصر عالی پائے جنت میں امیر

مولانا آزاد نے بھی اپنے استاد مرحوم کے انتقال پر قطعۂ تاریخِ وفات کہا جو خدنگ نظر کے شمارہ نومبر ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا تھا۔

شوق نیموی :

امیر مینائی کے بعد مولانا کی نگہ انتخاب شوق نیموی پر پڑی۔ ان سے متاثر ہونے اور ان سے اصلاح لینے پر آمادگی کے اسباب کے سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں :

---

[۱] ایضاً ص ۲۴۱

"اس زمانے میں ایسا ہوا کہ شاعری کے متعلق کتابوں کی جستجو میں رسالۂ اصلاح، اور" ازاحتہ الاغلاط"، لکھنؤ سے منگوایا، یہ دونوں رسالے مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کے تھے، اور فوائد متعلقہ شعر گوئی اور مباحث متروکات و تصحیح اغلاط میں نہایت مستند ہیں۔ ان رسالوں سے ان کی دیگر تصانیف کا حال معلوم ہوا۔ اور پھر براہِ راست انھیں لکھ کر پٹنہ سے تمام کتابیں منگوائیں۔ ان میں سرمۂ تحقیق" اور" یادگارِ وطن" بھی تھی، سرمۂ تحقیق جلال مرحوم کے رد میں ہے، اور ان کے اُردو لغتوں پر اعتراضات کیے ہیں"۔ یادگارِ وطن" میں اپنے وہ معرکے بیان کیے ہیں۔ جو جگنو اور جگنی اور بعض دیگر الفاظ و محاورات کے بارے میں، ان کے جلال مرحوم سے ہوئے تھے۔"

"اس وقت جیسی طبیعت اور جیسے معاملات تھے اس کے لحاظ سے ان حالات کا بہت زیادہ اثر پڑا۔ اور ان کی شاعرانہ واقفیت دل پر نقش ہو گئی، علی الخصوص یہ کہ شعر گوئی کے ساتھ قواعد و اصول اور زبان کے مباحث پر ان کو ایسا اچھا عبور تھا کہ ایک پوربی دیہاتی ہو کر جلال مرحوم جیسے صاحبِ دعویٰ کو شکست فاش دے دی۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے ان سے خط و کتابت کی۔ اور اصلاح لینی شروع کی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت جی لگا کر اصلاح دیتے تھے اور بعض اوقات غزل کے ساتھ ایک ایک صفحے کے فوائد بھی، جن کا کچھ تعلق اشعارِ زیرِ اصلاح سے ہوتا تھا، لکھتے تھے۔"[1]

اگرچہ اس زمانے میں داغ کی استادی کا ڈنکا بج رہا تھا، اور عوام و خواص میں بہت ہر دل عزیز اور مشہور تھے اور اکثر بتدی شعرا اصلاح کلام کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے، خود مولانا آزاد کے بڑے بھائی مولوی غلام یسین آہ داغ کی اسی شہرت اور ہر دلعزیزی سے متاثر ہو کر ان سے اصلاح لینے لگے تھے۔ لیکن مولانا آزاد کے نزدیک استادی کے لیے جو معیار تھا وہ شہرت اور ہر دلعزیزی سے مختلف تھا۔ اس معیار پہ داغ تو پورے نہ اترے۔

---

[1] ایضاً ص۲۱۲

یہ دستارِ فضیلت اور جبۂ استادی حضرت ظہیر احسن شوق نیموی کے قامت زیبا پر موزوں ہوا۔ یہ اصول کیا تھا؟ مولانا فرماتے ہیں:

"بھائی مرحوم نے داغ سے اصلاح لینا شروع کر دیا تھا مجھے اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ اصلاح میں شہرت سے زیادہ اس بات کو دیکھنا چاہیے کہ معلومات اور فن کے اعتبار سے کون شخص زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔" [1]

اگرچہ مولانا آزاد نے شہرت کے مقابلے میں وسعتِ معلومات اور فنی مہارت و واقفیت کو ترجیح دی۔ لیکن اگر عام نفسیات کے پیش نظر غور کیا جائے تو عام بتدی شعرا کے لیے مولانا آزاد کے بتائے ہوئے اصول میں کوئی کشش نہیں ہے۔ عام شعرا کے پیش نظر اصلاح کلام کے ساتھ متعارف ہونے اور شہرت حاصل کرنے کا جذبہ بھی ہوتا ہے، اور اس جذبے کی تسکین اسی طرح ممکن ہے کہ کسی مشہور اور ہر دلعزیز شاعر کو استاد بنایا جائے، تاکہ اس کے سہارے سے خود کو بھی متعارف ہونے اور شہرت حاصل کرنے کا موقع ملے۔ لیکن اس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ شہرت حاصل کرنے اور مداحین کا ایک حلقہ پیدا کرنے میں تو کامیابی حاصل ہو جائے۔ لیکن فنی اصلاح اور پختگی پس پشت پڑ جائے۔ دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ بتدی شاعر کے کلام میں رفتہ رفتہ فنی پختگی پیدا ہو جائے۔ اور زبان و بیان اور عروض و لغت کے اسقام تو کلام سے دُور ہو جائیں، لیکن اُس قدر شہرت حاصل نہ ہو۔

ظہیر احسن شوق اپنے وقت کے ایک بڑے عالم، فاضل اور دین دار بزرگ تھے۔ حدیث پر انھیں خصوصاً عبور حاصل تھا اور اس لیے محدّث مشہور تھے۔ شاعری میں بھی اپنے وقت کے مانے ہوئے استاد تھے قواعد، اصولِ زبان کے مباحث اور عروض پر ان کو جس درجے کمال حاصل تھا، خود مولانا اس کے معترف تھے۔

مولانا کو اصلاح لیتے اگرچہ ایک مدّت گزر چکی تھی۔ لیکن ملاقات کی نوبت ابھی تک نہ آئی تھی۔ ۲ر اپریل ۱۹۰۲ء میں جب شوق نیموی نے کلکتہ کا سفر کیا۔ اور مولانا آزاد کے مکان پر قیام کیا، ملاقات اس وقت ہوئی، مولانا آزاد چوں کہ ۱۴، ۱۵ برس کی عمر میں بھی اچھے خاصے شعر نکال لیتے تھے۔ اس لیے شوق مرحوم کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ آزاد ایک بچتہ عمر کا

---

[1] ایضاً ص ۲۱۲

فاضل شخص نہیں بلکہ ۱۴۔۱۵ سال کا لڑکا ہے۔ چنانچہ جب وہ کلکتہ تشریف لائے اور مولانا آزاد ان کو اسٹیشن پر لینے گئے، اور اپنا تعارف کرایا تو انھیں یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی آزاد .... ہے جو اصلاح کے لیے انھیں اپنا کلام بھیجتا ہے۔ انھیں شبہ تھا کہ یا تو یہ آزاد نہیں یا پھر جو کلام انھیں بھیجا جاتا ہے وہ کسی اور کا ہوگا، مولانا فرماتے ہیں :

"مولوی ظہیر احسن مرحوم، جن سے میں نے شاعری میں اصلاح لینی شروع کی تھی، عرصے کی خط و کتابت اور معائنہ کلام کے بعد جب کلکتہ آئے اور اسٹیشن پر میں ان سے ملا تو مکان تک، راستے بھر وہ بالکل گم رہے اور بار بار اس طرح پوچھتے رہے کہ گویا ان کو ابھی اس میں شک ہے کہ جو کلام میں ان کو بھیجتا ہوں، وہ میرا نہیں کسی اور کا لکھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ دو چار دن رہے اور ہر طرح کی گفتگو اور مباحث میرے سُنے اور اُسی زمانے میں ایک مختصر مشاعرہ بھی ترتیب پایا، جس میں خود انھوں نے دوپہر کے وقت مصرعِ طرح مجھے دیا اور مغرب تک میں نے اکتالیس شعر لکھ کر انھیں دے دیے تب ان کی بدگمانی تو دُور ہوئی، مگر استعجاب باقی رہا۔" [۱]

شوق نیموی کا ۲۵ر نومبر ۱۹۰۴ء کو جمعے کے روز انتقال ہوا۔

ظہور میرٹھی :

مولانا کے کلام میں جو سب سے پہلی نعت سفینۂ نجات کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اس میں مولانا کے نام کے ساتھ "شاگرد مولوی امداد حسین ظہورؔ میرٹھی" لکھا ہے۔ اس رشتۂ تلمذ کی مولانا کے کسی بیان یا تحریر سے تصدیق نہیں ہوتی یا کم از کم میری نظر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گزری جس میں ظہورؔ میرٹھی سے تلمذ کا اظہار یا اعتراف کیا گیا ہو۔ اس سے انکار کی بھی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے کہ یہ قطعی ممکن ہے کہ بمبئی کے سفر و قیام کے زمانے میں مولانا نے ان کو بھی اپنی کوئی غزل یا نعت دکھائی ہو، اور اصلاح لی ہو۔ ایک اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس نعت کے ساتھ مولانا کا جو نام اور تعارفی الفاظ درج ہیں وہ بھی عام

---

[۱] ایضاً ص ۲۱۲۔

رسم سے کچھ مختلف ہیں۔ مثلاً پورا نام اس طرح درج ہے " غلام محی الدین خاں آزاد رئیس بمبئی"۔ اس میں خان اور رئیس بمبئی کے الفاظ کھٹکتے ہیں۔ لیکن صحن چمن نگینہ میں مولانا کی جو نعت چھپی ہے اس میں اس نعت کے چار شعر مشترک ہیں اور مولوی محمد یوسف جعفری رنجور مرحوم کے ذخیرۂ علمی سے مولانا کی ایک طویل غزل جو ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے دستیاب ہوئی ہے اس میں اس غزل کے ۲۷ اشعار شامل ہیں۔ اس اشتراک اشعار کی وجہ سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں باقی رہ جاتا کہ سفینۂ نجات اور صحن چمن کی مطبوعہ نعت اور غزل ایک ہی شاعر کا کلام ہے، اور وہ شاعر ہمارا ممدوح محی الدین ابوالکلام آزاد ہے۔ مولانا کی سج دھج اور رئیسانہ ٹھاٹ دیکھ کر ایڈیٹر نے رئیس بمبئی لکھ دیا، اور کسی رئیس کو خان صاحب بنا دینا معمولی بات ہے۔

مرزا محمد حسین طیلسی:

فارسی کلام کی اصلاح انھوں نے مرزا محمد حسین طیلسی سے لی۔ مولانا نے ان کی قابلیت اور حکیمانہ مشرب کا ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب موصوف عراق کے رہنے والے تھے۔ وہ آغا محمد سنجر کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ کلکتہ میں کچھ مدت ان کا قیام رہا تھا۔ مولانا آزاد نے جس زمانے کا تذکرہ کیا ہے، میرے اندازے کے مطابق ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۳ء تک کا زمانہ تھا۔ مولانا نے عربی و فارسی میں ان کے کمال انشا پردازی کا اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں:

> "عربی کے بہت اچھے ادیب تھے اور فارسی تحریر میں تو میں نے ان سے بہتر لکھنے والا شخص کوئی نہیں دیکھا۔"

مولانا کو موصوف کی صحبت سے بہت فایدہ پہنچا۔ مولانا فرماتے ہیں:

> "پہلا فایدہ تو یہ تھا کہ گفتگو ان سے فارسی میں ہوتی تھی، اور وہ برابر غلط محاورات اور ہندی ترکیبوں پر ٹوکتے رہتے تھے۔ اس طرح فارسی بول چال اور محاورات کے وہ صدہا بھید جو کتابوں سے کسی طرح حاصل ہی نہیں ہو سکتے تھے، ان سے حاصل ہوئے۔ ساتھ ہی میں ان کو اپنی فارسی تحریریں دکھلاتا اور اصلاح لیتا تھا، طریقہ یہ تھا کہ میں کسی اردو کتاب کو لے لیتا اور اس کا فارسی ترجمہ کرنے لگتا۔ چناں چہ تذکرہ آب حیات، حصہ اول دو پردوم تک فارسی

میں ترجمہ کر کے ان کو دکھلایا اور اصلاح لی۔ شاعری میں بھی ان سے اصلاح لیتا تھا۔"[1]

(۴)

مولانا آزاد کو شاعری کا ملکہ قدرت کی طرف سے ودیعت کیا گیا تھا۔ شعر انھوں نے نہیں کہے، ان کی شاعرانہ طبیعت نے کہلوائے۔ وہ پیدائشی شاعر تھے، اس لیے جوں ہی مولوی عبدالواحد خاں کی صحبتوں میں ان کی شاعرانہ فطرت جاگی اور خیالات کو تحریک ہوئی۔ ان کا کلام قالبِ موزوں اختیار کرتا گیا۔

فطری مناسبت کے ساتھ انھوں نے خارجی ضروریات پر بھی توجہ دی۔ شعرا کے تذکروں، کلام کے مجموعوں، گلدستوں، قواعد وعروض اور لغت و بیان کے مباحث کے مطالعے سے انھوں نے زبان پر بھی بہت جلد عبور حاصل کر لیا۔ اس طرح شاعری کے لیے فطری مناسبت کے ساتھ زبان و بیان پر عبور اور فن سے واقفیت تمام ضروری چیزیں مہیا ہو گئیں۔

مولانا نے غالباً ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی، غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ، تاریخ ..... نعت وغیرہ میں ان کا کلام موجود ہے۔ اور ہر صنف کا کلام حسن الفاظ و معنی کے لحاظ سے اس سے بہت بلند ہے جتنا کہ ان کی عمر کے ایک بچے کا کلام تصور کیا جا سکتا ہے۔

اردو کلام کے ساتھ فارسی کلام بھی ہے، اور اس میں بھی۔ نظم مثنوی، غزل اور رباعی موجود ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جو خصوصیات ان کے اُردو کلام میں ہیں وہ فارسی کلام میں بھی موجود ہیں۔

مولانا آزاد کا کلام اس لیے موضوع مطالعہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ کوئی اعلیٰ درجے کا کلام ہے۔ بلکہ اس لیے کہ یہ ان کی ۱۰ برس سے لے کر ۱۵، ۱۶ برس کی عمر تک کی تُک بندیوں کے نمونے ہیں۔ اور اس آئینے میں ہم ان کی شخصیت کی اٹھان کو دیکھ سکتے ہیں۔ ان سے مولانا کے ابتدائی رجحانات ان کے افکار کی تعمیر اور شخصیت کے نشوونما کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] ایضاً ص ۲۲۶۔

یہ ۱۶ برس سے کم عمر کے ایک بچے کا کلام ہے۔ اگر اس کو اس زمانے میں پسند کیا گیا تو اس لیے کہ اس عمر میں صحیح اُردو نثر کی دو سطریں لکھنے کی توقع بھی کم از کم مولانا آزاد سے نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ اُردو نہ تو اُن کی مادری زبان تھی، نہ اُنھوں نے باقاعدہ کسی سے اس کی تحصیل کی تھی۔ صرف اپنی ذاتی محنت اور شوق سے انھوں نے یہ استعداد بہم پہنچائی تھی، یہ بات جس طرح اس وقت باعثِ حیرت تھی، آج بھی اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ مولانا آزاد واقعی ابوالکلام تو بعد کو ہوئے لیکن ان کی ابوالکلامیت کی جھلک ان کی ان تک بندیوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کی شخصیت کے مطالعے اور تجزیے میں ان ابتدائی نقوش کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کلام

مولانا ابوالکلام آزاد

نعتیہ کلام

نعت

موزوں کلام میں جو ثنا سے بنی ہوئی
تو ابتدا ہیں طبعِ رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصفِ پیمبر کیے رقم
کاشانۂ سخن میں مرے روشنی ہوئی

کچھ تازہ رونقیں قدمِ مصطفےٰؐ سے ہیں
رضواں یہ کہہ رہا ہے کہ جنت نئی ہوئی

تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم
مہتابِ نقش پا سے وہاں روشنی ہوئی

آزادؔ اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

سفینۂ نجات بمبئی اپریل سنہ ۱۹۰۰ء بشکریہ جناب افسر صدیقی امروہوی۔

نعت

موزوں کلام میں جو ثنائے نبیؐ ہوئی
تو ابتدا سے طبع رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصفِ پیمبرؐ رقم کیے
کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی

ظلمت رہی نہ پرتوِ حسنِ رسولؐ سے
بیکار اے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی

ساقیِ سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے
محفل تمام مستِ مے بے خودی ہوئی

دل کھول کر رسولؐ سے میں نے کیے سوال
ہرگز طلب میں عار نہ پیشِ سخی ہوئی

تاریک شب میں آپؐ نے رکھا جہاں قدم
مہتابِ نقشِ پا سے وہاں روشنی ہوئی

ہے شاہِ دیں سے کوثر و تسنیم کا کلام
یہ آبرو تمام ہے حضرتؐ کی دی ہوئی

سالک ہے جو کہ جادۂ عشقِ رسولؐ کا
جنّت کی راہ اس کے لیے ہے کھلی ہوئی

آزادؔ اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

ایضاً

بہ قافیۂ حرف روی

وصفِ نبیؐ سے نظم کی یہ برتری ہوئی
طوبیٰ کی طرح شاخِ مضامیں ہری ہوئی

مژدہ گدائے شہ کو دیا یہ سروش نے
حاصل دیارِ دیں ہیں تجھے افسری ہوئی

پہنچوں گا حشر سے چمنستانِ خلد میں
عشقِ رسولِ حق کی اگر رہبری ہوئی

شمہ ثنائے شاہِؐ رسل کا نہ لکھ سکے
بے کار شاعروں کی سخن گستری ہوئی

اوصاف جب لکھے دُرِ دندانِ پاک کے
عالم میں اپنی طبع رسا جوہری ہوئی

یادِ نبیؐ میں دولتِ عقبیٰ حصول ہے
کیا غم جو اس جہاں میں مجھے بے زری ہوئی

اعجازِ مصطفےٰ کے ہوئے دل سے معتقد
باطل فسوں گروں کی جو افسوں گری ہوئی

حسنِ حبیبِؐ حق کی تجلی کے رُو برو
تاریک تر ضیاءِ مہ و مشتری ہوئی

آزادؔ وصفِ نورِ نبیؐ جب رقم کیا
شہرت زمانے میں صفتِ انوری ہوئی

ایضاً

بہ تبدیلِ قافیہ

ہے اُمّتِ رسولؐ سے جنّت بھری ہوئی
جنّت میں ہے رسولؐ کی امّت بھری ہوئی

معمور دل ہے یادِ شہِ مشرقین سے
اس گھر میں دوجہاں کی ہے دولت بھری ہوئی

میں افصح العربؐ کا ثنا گو ہوں دوستو
کیوں کر نہ ہو سخن میں فصاحت بھری ہوئی

پاتے تھے لوگ خطبۂ احمدؐ سے لذتیں
کیا بات بات میں تھی حلاوت بھری ہوئی

ہے قدسیانِ خاص کو بھی آپ سے خلوص
دل میں ہے ہر مَلک کے ارادت بھری ہوئی

کعبہ سے منزلت میں نہیں کم دلِ حزیں
ختمِ رسلؐ کی ہے جو محبت بھری ہوئی

آزادؔ پر بھی ہونگے لطف یا رسولؐ
ہے دل میں آرزوے شفاعت بھری ہوئی[1]

---

[1] ماہنامہ "صحنِ چمن"، نگینہ ضلع بجنور بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء

غزلیات

غزل

کیوں اسیر گیسوئے خم دار قاتل ہو گیا
ہائے کیا بیٹھے بٹھائے تجھ کو اے دل ہو گیا

کوئی نالاں کوئی گریاں، کوئی بسمل ہو گیا
اُس کے اُٹھتے ہی دگر گوں رنگ محفل ہو گیا

تم نے مارا غیر کو اور رشک نے مارا مجھے
اس نے تن پر کھائیں تلواریں میں بسمل ہو گیا

اس نے تلواریں لگائیں ایسے کچھ انداز سے
دل کا ہر ارماں فدائے دستِ قاتل ہو گیا

قیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب نجد میں   ہر بگولا دشت کا لیلےٰ کا محمل ہو گیا۔

انتظار اس گل کا اس درجہ کیا گلزار میں
نور آخر دیدۂ نرگس کا زائل ہو گیا

یہ بھی قیدی بن گیا آخر کمندِ زلف کا
لے اسیروں میں ترے آزاد شامل ہو گیا

خدنگِ نظر لکھنؤ جون ۱۸۹۹ء

یہی غزل ہے جو مخزن لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں تیسرا شعر نہیں ہے، اور پانچویں نمبر پہ یہ شعر ہے۔

قیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب نجد میں   ہر بگولا دشت کا لیلےٰ کا محمل ہو گیا

نیز مخزن والی غزل کے مقطع کے مصرعِ اولیٰ میں "بن گیا" کی جگہ "ہو گیا" ہے۔ اشعار کی تعداد (۶) دونوں میں برابر ہے۔

غزل

جوش وحشت میں مسلم ہو گیا اسلام عشق
کوچہ گردی سے مری پورا ہوا احرام عشق

خاک میں آخر ملے ہم یہ ہوا انجام عشق
بھول کر یارب نہ لے کوئی جہاں میں نام عشق

جلوہ گاہ دہر میں جب سے ظہور حسن ہے
تیز ہے میرے گلے کے واسطے صمصام عشق

میرے مرنے سے کھلا حال محبت خلق پر
سنگِ مرقد بن گیا آئینہء انجام عشق

صلہ پایا وفا کا حسن کی سرکار سے
چہرہء عاشق کی زردی ہے زرِ انعام عشق

پہلے تھا رخ کا تصور اب ہے گیسو کا خیال
وہ تھی صبح عشق گویا اور یہ ہے شام عشق

آستان یار پر ہر وقت سجدے کیجیے
ہے یہی بس دین عشق ، ایمان عشق ، اسلام عشق

دیکھ آکر اپنے بیماروں کو اے آرام جاں
کوئی محروم محبت ہے کوئی ناکام عشق

سرفدا کردوں تقاضا ہے محبت کا یہی
تیغ قاتل دینے آئی ہے مجھے پیغام عشق

ہوں اسیر زلف ظاہر ہے خط تقدیر سے
دائرے حرفوں کے مل کر بن گئے ہیں دام عشق

عرش اعظم سے بھی اونچی ہو گئی میری فغاں
آج تک پایا نہ اے آزاد(۱) اوج بام عشق

(خدنگ نظر، لکھنو۔ مئی ۱۹۰۰ء)

حاشیہ:

(۱) اس غزل کے ساتھ شاعر کا نام اس طرح چھپا ہے:
"آزاد، جناب مولوی غلام محی الدین صاحب دہلوی واردِ حال بمبئی"
یہ غزل جناب ضیاء اللہ کھوکر (گوجرانوالہ) کی عنایت سے دستیاب ہوئی۔

بِاِسْمِہٖ سُبْحَانَہٗ

غزل

بر طرح مشاعرہ تاریخ ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۱ء مرتبہ مشفقی میر اخلاق حسین

صاحب اخلاق دہلوی دام لطفہٗ

از خادم العلماء بندہ محی الدین احمد المتخلص بہ آزاد دہلوی مقیم کلکتہ

مصرع طرح

"توبہ کا نام لیں مرے دشمن بہار میں"

چھوڑا نہ غم نے کچھ بھی مرے جسمِ زار میں
اک جان ہے سو وہ بھی ترے اختیار میں

ٹھہری نہ خاک قیس بھی دم بھر مزار میں
پیدا ہوئے ہیں لاکھ بگولے غبار میں

ہے عکس روئے یار دلِ داغ دار میں
کچھ تیرگی نہیں ہے ہمارے مزار میں

کچھ ایسے محو ہو گئے اقرارِ یار میں
لطف انتظار کا نہ ملا انتظار میں

پیدا ہے رنگ حسن جوانی سے یار میں
جوبن پہ جس طرح سے ہو گلشن بہار میں

نکلی ہے جان حسرتِ دیدارِ یار میں
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ابھی تک مزار میں

ہو میل کیوں نہ گیسو و رخسارِ یار میں
روزِ ازل سے ربط ہے لیل و نہار میں

محفل میں اپنی دیکھ کے مجھ کو وہ کہہ اٹھے
رسوا نہ کیجیے مجھے سو ہیں ہزار میں

لے نکلے گا تڑپ کے وہ مجھ کو بھی قبر سے
میں دل کے ساتھ نہ رہ سکوں گا مزار میں

آتش کدہ گلوں سے بنا ہے تمام باغ
چاروں طرف اک آگ لگی ہے بہار میں

دل دے کے فرضِ عشق تو ہم کر چکے ادا
جو کچھ ہو اب مشیّتِ پروردگار میں

دو چند اس سے حسن پہ ان کو غرور ہے
جتنا نیاز و عجز ہے مجھ خاکسار میں

یوسف نہ تھا عزیز نہ بہ چشم برادراں
اچھوں کی ہو گی قدر نہ اس روزگار میں

وہ پیاری پیاری شکل وہ اندازِ دلفریب
رہتا نہیں ہے دیکھ کے دل اختیار میں

کرتے ہو کیوں وہ کام کہ ملتا نہیں ہے چین
رہتے ہو کیوں کسی کے دلِ بے قرار میں

اے باغبان تو نے یہ کیسا غضب کیا
بلبل کا آشیانہ اجاڑا بہار میں!

ایسی بھری ہیں یار کے دل میں کدورتیں
نامہ لکھا ہے مجھ کو تو خطِ غبار میں

ہم کچھ بھی وصفِ کاکلِ پیچاں نہ لکھ سکے
مضموں الجھ رہے ہیں قلم مشک بار میں

کچھ بھی نہ اس کی وعدہ خلافی کا رنج ہو
آ جائے موت ہی جو شبِ انتظار میں

غم ہجر کے سہوں کہ محبت سے ہاتھ اٹھاؤں
افسوس کوئی بات نہیں اختیار میں

اے موت! تو ہی آ، کہ نہ آئیں گے وہ کبھی
آنکھیں ہیں ایک عمر سے وا انتظار میں

تصویر ہی وہ اپنی شبِ وعدہ بھیج دیں
تکلیفِ انتظار نہ ہو انتظار میں

افسردگیٔ عاشقِ بے کس کی حد نہیں
سینے میں دل ہے یا کوئی مردہ مزار میں

خونِ جگر کے پینے میں آتا ہے جو مزا
وہ ذائقہ نہیں ہے مئے خوشگوار میں

موقوف آرزو پہ ہیں سامان ہجر کے
پہلا سا طول اب نہیں شب ہائے تار میں

سمجھو! کہ کس کو کہتے ہیں تکلیفِ انتظار
بیٹھو! کبھی جو دیدۂ خوں نابہ بار میں

سودائے زلف و رخ میں غضب کا ہے انتشار
اب آ گئے ہیں گردشِ لیل و نہار میں

فرقت کی رات جس کے تصور میں کٹ گئی
ایسی تھی باڑھ خنجرِ ابروئے یار میں

کل تک مریضِ عشق تڑپتا تھا درد سے
جنبش کی تاب آج نہیں جسمِ زار میں

وہ پوچھتے ہیں نزع میں کیسا مزاج ہے
اب کیا کہوں؟ زباں نہیں اختیار میں

بیٹھے ہیں آج آپ تو پہلو میں غیر کے
ہم ہوں گے کل عروسِ اجل کے کنار میں

کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں غیروں کے رات دن
ہیں زلف و رخ کے عشق میں مژگانِ یار میں

مٹ کر ہوں خاک سرمے کے مانند بھی اگر
پھر بھی کبھی سمائیں نہ ہم چشمِ یار میں

مجبور ہو کے زیرِ زمیں جا کے لی پناہ
جب سختیاں اٹھا نہ سکے کوئے یار میں

ہوتے یونہیں کسی سے ہم آغوش [illegible]
آتا ہے ہم کو لطف لحد کے فشار میں

سب آرزوئیں دل کی نکالو شبِ وصال
دو چار بوسے آج بھلا کس شمار میں

میں آپ سے کدورتِ غم میں بھی صاف ہوں
منہ دیکھ لیجیے میرے دل کے غبار میں

پوچھا کسی عزیز نے آکر نہ بعدِ دفن
بتلا کہ کیا گزرتی ہے تجھ پر مزار میں

کہنے لگے کہ آپ کی نیت تو ٹھیک ہے
بیتاب مجھ کو دیکھ کے بوس و کنار میں

شکوہ کریں تو کیا کریں جور و جفا کا ہم
سب عمر کٹ گئی ستمِ روزگار میں

مرنے کے بعد بھی ہے اسی طرح کشمکش
میں قبر میں ہوں دل ہے مرا کوے یار میں

تقدیر کے لکھے کو مٹانا محال ہے
کیا دخل ہے مشیّتِ پروردگار میں

بجلی سی کوند جاتی ہے گھونگھٹ کے آڑ میں
کیا شوخیاں ہیں اس نگہِ شرمسار میں

جس کو پہن کے سویا تھا گردن میں وہ حسین
خوشبوے تازہ پاتا ہوں اُس باسی ہار میں

دعواے عاشقی پہ یہ کہنے لگا وہ بُت
اللہ کی شان! آپ بھی ہیں اِس شمار میں

پامال کیجیے گا سمجھ کر ذرا اسے
ہے آپ ہی کا گھر دلِ بے اختیار میں

کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں غیروں کی رات دن
رہتے ہیں ہم تصورِ مژگانِ یار میں

مجھ کو شبِ وصال نہیں ہے خیالِ ہجر
آتا نہیں ہے نام خزاں کا بہار میں

تیرے خیالِ دید نے بیدار کر دیا
جب آنکھ لگ گئی مری دم بھر مزار میں

اچھا ہوا کہ دل بھی گیا جان بھی گئی
دونوں عذاب تھے مجھے کنجِ مزار میں

اے دل خدا کی یاد میں اب صرف عمر ہو
کچھ کم پھرے صنم کدۂ روزگار میں

چپکے سے جب رقیب کو بیدار واں کیا
اللہ رے جذب! چونک گئے ہم مزار میں

میرا دل شگفتہ بھی اس نے پرو لیا
اک پھول اور بڑھ گیا پھولوں کے ہار میں

افشاں کی یاد میں مرا یہ حال ہو گیا
ذرّے بھی سوجھتے نہیں گرد و غبار میں

گر ان پہ اختیار نہیں ہے نہیں سہی
غم ہے یہی کہ دل بھی نہیں اختیار میں

غیروں کے ساتھ فاتحہ پڑھنے جو آئے ہیں — یعنی نہ چین پاؤں میں دم بھر مزار میں
دل پر لگی وہ چوٹ کہ اُف کر کے رہ گئے — ٹوٹا جو گر کے جام کوئی بزمِ یار میں ٥
سودا نیا جنوں ہے نیا ولولے نئے — کچھ اور ہی بہار ہے اب کی بہار میں ٥
وغیرہ وغیرہ وغیرہ [1]

آزاد کو ہو اپنی تباہی کا کیا ملال
کس کو قیام ہستی ناپائیدار میں ٥

اس غزل کے ستائیس اشعار جن پر نشان ٥ لگا ہے۔ ماہنامہ "صحنِ چمن" نگینہ ضلع بجنور بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں چھپ چکے ہیں صـ۲۶ـ۔

[1] وغیرہ وغیرہ" تحریر فرما دینے سے شاید مولانا یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ اس غزل میں اور بھی کچھ اشعار تھے۔ جنھیں کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

غزل

بہ فرمایش مکرمی و مخدومی محبّی مولانا مولوی محمد یوسف صاحب بحور عظیم آبادی صادر شدی

از

بندۂ آزاد ابوالکلام محی الدین احمد دہلوی مقیم کلکتہ

(یہ غزل مولانا آزاد کے قلم سے دو جگہ نقل ہوئی ہے دونوں غزلوں میں نہ صرف ترتیب اشعار مختلف ہے بلکہ بعض لفظی فرق بھی موجود ہیں۔ دوسری غزل میں ترتیب اشعار کو نمبروں کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے اور لفظی فرق کو حاشیہ میں۔ کس غزل کا کونسا لفظ درست اور مناسب ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کی گئی ہے)۔

۱۔ فراقِ یار میں دل یا جگر کو دیکھتے ہیں
جدھر لگی ہے ہمیں چوٹ اُدھر کو دیکھتے ہیں

۵۔ جفا کا شوق ہے کہتے ہیں نازکی بھی ہیں[1]
وہ پہلے تیغ کو اور پھر کمر کو دیکھتے ہیں

۳۔ کھلا ہے منہ جو لحد میں کھلا ہی رہنے دو
جگہ نئی ہے مسافر ہیں، گھر کو دیکھتے ہیں

۸۔ ہمارے درد کو جاتا ہے لا دوا کہہ کر[2]
نگاہِ یاس سے ہم چارہ گر کو دیکھتے ہیں

۷۔ کسی میں تو نظر آ جائے گا ترا جلوہ
اسی خیال سے ہم ہر بشر کو دیکھتے ہیں

۲۔ یہاں تک اپنی طبیعت ہے، بدگمان ان سے
کہ ان کی بزم میں ہر اک[3] نظر کو دیکھتے ہیں

۹۔ جوانی آتے ہی[4] ان کو غرورِ حسن آیا
کچھ اب بھری ہوئی ان کی نظر کو دیکھتے ہیں

۶۔ یہ کیوں؟ زبان سے ارشاد ہوگا خط کا جواب
کہ نامہ دیکھ کے اب نامہ بر کو دیکھتے ہیں

۱۲۔ غضب ہے، دیکھ کے غیروں کو وہ کنکھیوں سے
یہ پوچھتے ہیں کہو! ہم کدھر کو دیکھتے ہیں

۱۰۔ ہر اک[5] سخن میں نہاں ہیں وہ صورتِ معنیٰ
ہم ان کے حسن کے حسنِ اثر کو دیکھتے ہیں

۱۱۔ ستانے کو مجھے[6] کہتے ہیں غیر کی نظریں
یہ وہ نظر ہیں کہ ہم جن نظر کو دیکھتے ہیں

۴- تسلیاں شبِ فرقت میں دیں گے آخر کار ابھی نرقی د دِجگر کو دیکھتے ہیں

۱۲- پڑے لچک نہ کہیں راہ میں بوقتِ خرم سنبھل سنبھل کے وہ اپنی کمر کو دیکھتے ہیں

۴- وہ خود ہی ہو گئے آزاد طالبِ دیدار ۸ہ

ہم ۹ہ آہ آہ کے حسنِ اثر کو دیکھتے ہیں

ہ دوسری غزل میں "ہے" ہے۔ ۲ہ دوسری غزل میں "کر" کے بجائے "کے" ہے۔

۳ہ دوسری غزل میں "اک اک" ہے۔ ۴ہ دوسری غزل میں "آتی ہے" ہے۔

۵ہ دوسری غزل میں "ایک" ہے۔ ۶ہ دوسری غزل میں "ستانے کے لیے" ہے۔

۷ہ دوسری غزل میں "دو نظر میں" اور لفظ "جس" آیا ہے۔ ۸ہ دوسری غزل میں مصرع اس طرح ہے "وہ خود ہی طالبِ دیدار ہو گئے آزاد"۔

۹ہ دوسری غزل میں "ہم" کے بجائے "اس" ہے۔

غزل

کُشتہ ہے اُن کی ترچھی نظر کی تمام خلق — حیرت ہے ایک تیر کا عالم شکار ہو
پیشِ خدا کھڑے ہیں وہ محشر میں بے نقاب — کیا ہی مزا ہو اب جو ہماری پکار ہو
کہتا ہے عاشقوں کو ستارے دکھا کے چرخ — سینہ نہ یوں کسی کا کبھی داغ دار ہو

آزادؔ اُن کی ترچھی نظر سے نہ خوف کر
یہ تیر وہ نہیں جو کلیجے کے پار ہو[1]

---

[1] ارمغان آزاد کے پہلے ایڈیشن کی ترتیب کے وقت یہ غزل دستیاب نہیں ہوئی۔ اب ارمغان فرخ، بمبئی بابت ماہ فروری ۱۸۹۹ء جلد ۲ نمبر ۲ (ص ۴) کے حوالے سے پیش کی جا رہی ہے۔

غزل

نشتر بہ دل ہے آہ کسی سخت جان کی — نکلی صدا تو فصد کھلے کی زبان کی
یوں تو جہاں میں قاتل و جلاد ہیں بہت — تم فرد ظلم میں ہو قسم آسمان کی
وہ نرم دل ہوں، دوست کے مانند رو دیا — دشمن نے بھی جو اپنی مصیبت بیان کی
بر لائیے کبھی نہ کبھی تو مرادِ دل — لے لیجیے دعائیں کسی بے زبان کی
خجلت کے مارے لعلِ یمن ہو گیا سفید — اُن کے لبوں پہ دیکھ لی سرخی جو پان کی
گنبد ہے گرد باد تو ہے شامیانہ گرد — شرمندہ میری قبر نہیں سائبان کی

آزادؔ بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

مولانا آزاد کے دریافت شدہ کلام میں مولانا آزاد کے کلام میں یہ سب سے پہلی مطبوعہ غزل ہے، اور مولانا کے بیان کے مطابق پہلی کہی ہوئی بھی، یہی غزل ہے۔ (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، ص ۲۳۹-۲۴۰) - اس غزل کے چار شعر (نمبر ۲ تا ۵) ارمغانِ فرخ بمبئی کے شمارہ بابت ماہ جنوری ۱۸۹۹ء جلد ۲ نمبر ۱ (ص ۲۴) میں شائع ہوئی ہے۔ غزل پہ شاعر کا نام اس طرح درج ہے:

آزاد، جناب غلام محی الدین صاحب۔ از کلکتہ

یہ غزل اس مصرع طرح میں تھی: "پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی"

مولانا آزاد کے بیان کے مطابق اس غزل کے سترہ شعر انھوں نے منتخب کر کے بھیجے تھے لیکن ارمغانِ فرخ کے ایڈیٹر حکیم عبدالحمید فرخ دہلوی کے انتخاب کے بعد صرف چار شعر (نمبر ۲ تا ۵) ارمغانِ فرخ میں جگہ پا سکے تھے۔ اس کا مطلع اور مقطع ایڈیٹر کے معیار پر پورا نہ اترا تھا۔

اس غزل کا مطلع، مقطع اور چھٹا شعر مولانا نے مولانا غلام رسول مہر کے نام ایک خط مورخہ ۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء میں (نقش آزاد ص ۱۰۷) تحریر فرمایا تھا۔ غزل کا تیسرا شعر جو ارمغانِ فرخ میں درج ہے۔ مولانا کی بہن فاطمہ بیگم عرف آرزو بیگم نے ایک انٹرویو میں خواجہ احمد فاروقی کو بہ تغیرِ ادنیٰ سنایا تھا۔ اس کا پہلا مصرع اس طرح سنایا

ہوں نرم دل کہ دوست کے مانند رو دیا

(آج کل، دہلی۔ نومبر ۱۹۵۹ء)

غزل

غیر بھی بے خم ہیں نالوں سے بت بے پیر بھی
اک ہوائی تیر ہے یہ آہ بے تاثیر بھی

کوئی شے خالی نہیں نیرنگ حسن یار سے
گل میں رنگ و بو تو مہر و مہ میں ہے تنویر بھی

کہتے ہیں رکھتے نہیں کیوں موئے مژگاں کا خیال
کیا تمھارے دل میں رہ سکتا نہیں اک تیر بھی

اس قدر ضعف غم ہجراں سے ہمت گھٹ گئی
بڑھ کے زنداں سے نہ نکلا نالہء زنجیر بھی

قید کی تکلیف سے دونوں کو چھٹکارا ہوا
میرے مرنے سے کھلی ہے قسمت زنجیر بھی

وقت نظارہ نہیں جمتی کبھی اس پر نگاہ
جوہر آئینہ ہے ظالم تری تصویر بھی

رحمت خالق بھی ہے آزاد(۱) اک سو حشر میں

سر جھکائے اک طرف نادم مری تقصیر بھی

(خدنگ نظر، لکھنو۔ جنوری ۱۹۰۰ء)

حاشیہ:

(۱) اس غزل پر مولانا آزاد کا نام اس طرح چھپا ہے:

"آزاد، جناب مولوی غلام محی الدین صاحب وارد بمبئی"

"ارمغان آزاد" کے تیسرے ایڈیشن کی تالیف کے وقت اس غزل کا صرف چھٹا شعر اثر بن یحییٰ انصاری کی تالیف "مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری" میں ملا تھا۔ بعد میں محترم ضیاء اللہ کھوکھر (گوجرانوالہ) کی عنایت سے خدنگ نظر میں یہ پوری غزل دستیاب ہو گئی۔

اسی بحر و مصرع طرح میں تیرہ اشعار کی غزل آہ مرحوم کی بھی یادگار ہے جو خدنگ نظر کے اسی شمارے (جنوری ۱۹۰۰ء) میں چھپی ہے۔

غزل

(مشاعرہ منعقدہ کلکتہ مورخہ ۲۵ - جون ۱۹۰۲ء ، شب پنجشنبہ بر مکان مولوی عبدالباری صاحب رئیسِ کلکتہ - بہ تحریکِ مولوی محمد یوسف جعفری رنجور صاحب بہ سلسلۂ جشنِ تاجپوشی شاہِ برطانیہ)

ان شوخ حسینوں کی ادا اور ہی کچھ ہے
ایسوں کی اداؤں میں مزا اور ہی کچھ ہے
یہ دِل ہے مگر دل میں بسا اور ہی کچھ ہے
دِل آئینہ ہے جلوہ نما اور ہی کچھ ہے
ہم آپ کی محفل میں نہ آنے کو نہ آتے
کچھ اور ہی سمجھتے تھے ہوا اور ہی کچھ ہے
بے خود بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں دیکھنے والے
ان مست نگاہوں کی ادا اور ہی کچھ ہے
آزاد ہوں اور گیسوے پیچاں میں گرفتار
کہہ دو مجھے کیا تم نے سنا اور ہی کچھ ہے۔

(پنج پٹنہ ۵ جولائی ۱۹۰۲ء بحوالہ اُردو ادب علی گڑھ آزاد نمبر)

غزل

یہ غزل شائستہ خان سلمہا نے مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کی بیاض (مخزونہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ) سے دریافت کی ہے۔ عزیزہ سلمہا کے شکریے کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ (مرتب)

وہ مقدر میں نہیں ہے جو ہمارے دل میں ہے
اب خیالِ سعی حاصل سعیِ لاحاصل میں ہے

میرے دل میں ہے نہ وہ اغیار کی محفل میں ہے
یا الٰہی! اب مقامِ دوست کس منزل میں ہے

وصل سے انکار ان کو، یاں تمنائے وصال
واں وفا مشکل میں ہے یاں آرزو مشکل میں ہے

اک قدم بڑھتا ہوں تو بڑھتی ہے منزل دو قدم
یا الٰہی! کس کا بختِ نارسا منزل میں ہے

آتشیں جلوے اُدھر ہیں آہ شعلہ زن اِدھر
مژدہ اے ذوقِ نظر! کیا پردہ حائل میں ہے

اُس کا گھر، اُس کا تصور، اُس کی یاد، اُس کا خیال
یا ہماری آنکھ میں ہے یا ہمارے دل میں ہے

وہ ہوں اور ہو رنجشِ اغیار! ہے بالکل غلط
کچھ نہ کچھ طرزِ شرارت طینتِ ناقل میں ہے

حسن پردہ در ہوا پیشِ نگاہِ رخنہ گر
قیس جنگل میں، نہ لیلیٰ پردۂ محمل میں ہے

بیٹھے بیٹھے یا الٰہی! یاد کس کی آگئی؟
آنکھ میں آنسو بھرے ہیں درد کچھ کچھ دل میں ہے

رازِ الفت کھل گیا باطن جو تھا ظاہر ہوا
اب تو ہے سب کی زباں پر جو ہمارے دل میں ہے[۱]

مے گسارانِ محبت پی چکے اب بس کی
آنکھ میں رکھنے تھے پہلے جو نشہ، وہ دل میں ہے

حورِ جنت کے بہانے سے کسی کی یاد بتاں
یہ اثر واعظ! تری تقریرِ لاطائل میں ہے،

۱؎ یہ شعر مولانا نے اپنے مضمون "ممالک اسلامیہ اور سید احمد خانی خیالات" (مطبوعہ وکیل امرتسر ۱۹۰۴ء منقولہ ہفت روزہ الکلام، پٹنہ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۶۰ء) میں نقل کیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ غزل ۱۹۰۴ء سے قبل کی یادگار ہے۔ میرے خیال میں ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۲ء کی ہے کہ وہی ان کے شاعری کے شوق کا زمانہ ہے۔ (مرتب)۔

ایک حسرت دل سے نکلی ایک حسرت رہ گئی
ایک پیکاں دل سے نکلا، ایک پیکاں دل میں ہے

چھوڑ بھی سکتے نہیں اور ضبط بھی ممکن نہیں
عشق کے ہاتھوں ہماری جان کس مشکل میں ہے

ڈر رہا ہے، گو سوالِ وصل کی ہمت نہیں
پھر بھی کچھ اٹکا ہوا مطلب لبِ سائل میں ہے

بعد مدت کے مرا دل پھیرتے ہیں ہائے ہائے
سن لیا دشمن سے کوئی آرزو اس دل میں ہے

ہم تو سن لیتے ہیں جی بھر کہ تمھاری گالیاں
تم بھی سن لو بندہ پرور! جو ہمارے دل میں ہے

المدد اے المدد، شوقِ شہادت المدد
مژدہ باد اے مرگ! خنجر پھر کفِ قاتل میں ہے

دخترِ رز کا ذکر ہے یاں، حور کا ہے واں بیاں
میکدے میں ہے وہی، جو شیخ کی محفل میں ہے

کیا کریں مجبور ہو کر نذر کر دیتے ہیں جاں
لب پہ آسکتی نہیں وہ بات جو قاتل میں ہے

ہوں تمھارا مدعی اور گردِ راہِ مدعا
خاکساری، پائمالی، میرے آب و گل میں ہے

اب تو ہم سرمست صہبائے محبت ہو چکے
کیفِ مے آنکھوں میں ہے جوشِ مسرت دل میں ہے

سخت جانی! تو نہ ہمت ہاریو ہنگام قتل
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

قبر پر آکر وہ کہتے ہیں یہ کس افسوس سے
مرنے والے کی جگہ خالی مری محفل میں ہے

غیر کی دعوت میں بے حد ہے خیالِ انتظام
اک قدم محفل سے باہر، اک قدم محفل میں ہے

سیکڑوں صدمے، ہزاروں درد، لاکھوں آفتیں
ایک جاں عاشق کی، اے اللہ! کس مشکل میں ہے

واہ کیا خوب! آپ نے سیکھی ہے یہ تیر افگنی
زہ میں ہے سوفار اور پیکاں ہمارے دل میں ہے

جب کوئی دیکھا حسیں فوراً دل اس پر آگیا
سخت ہوں حیراں کہ یہ کیا چیز آب و گل میں ہے

ہوگیا تیرِ محبت کا اثر دونوں طرف
کچھ تمھارے دل میں ہے اور کچھ ہمارے دل میں ہے

ہم نے کثرت میں وہی دیکھا ہے جو وحدت میں ہے
ہم کو خلوت میں وہی ہے لطف جو محفل میں ہے

دوستی منہ پر عداوت دل میں یہ بہتر نہیں
منہ پہ کیوں کہتے نہیں جو کچھ تمھارے دل میں ہے

ہے دلِ آزادؔ اک مہماں سرائے مہوشاں
ڈھونڈیے جس مہ جبیں کو صورت اس کی دل میں ہے

کچھ اثر آزادؔ میرے جذبِ الفت نے کیا
آج سنتا ہوں وہاں بھی بے قراری دل میں ہے

رباعیات

باسمہٖ سبحانہٗ

کلام آزاد

نو تصنیف رباعیتیں

کیوں طعنۂ خویش و اقربا سہتے ہیں
ہے بات کوئی کہ آپ چپ رہتے ہیں
ہیں کس کے خیال میں جنابِ آزادؔ
سنتے ہیں کسی کی اور نہ کچھ کہتے ہیں

افسوس وہ بے غمی کی طفلی نہ رہی
افسوس وہ عیش کی جوانی نہ رہی
لے دے کے رہی تھی ایک پیری اے مرگ
تو کیا آئی کہ ہائے وہ بھی نہ رہی

رباعی

کیوں ہے یہ خراب اور کیوں ہے یہ بُرا
چاہ اپنی ہے اور شوق اپنا اپنا
ہے وعظ کی لت اُسے ہمیں شرابِ مدام
اُس کو اُس کا ہے شوق ہم کو اِس کا

اُردو رُباعیات[۱]

(۱)

سنتے ہیں رقیب سے ملاقاتیں ہیں
صحبت دن رات ہے مداراتیں ہیں
ہم کو نہیں اعتبار جو چاہو کہو
عاشق سے وہ منہ لگائے، یہ باتیں ہیں

(۲)

آفتِ جاں ہے قصۂ جوانی میرا
ظاہر ہے حالِ نوحہ خوانی میرا
اک جان بچاؤں میں کس طرح آزادؔ
دل کا دشمن ہے یادِ جانی میرا

۱۹۲۰ء

[۱] یہ دو رباعیاں ماہنامہ مہر نیم روز کراچی مئی، جون، جولائی ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں ایڈیٹر جناب مولانا احسن مثنیٰ ندوی صاحب نے شائع کی تھیں۔

قطعات
اور
قطعاتِ تاریخ

بداہیہ

قطعہ فی البدیہہ

میرے شفیق رنجور!

گرچہ ہے وعدہ خلافی مری ثابت تم پر
اور وعدہ مرا پورا کبھی ہوتا ہی نہیں
پھر جو وعدہ بھی ہو پورا تو یہ شکوہ ہے تمہیں
کہ کبھی وقت معیّن پہ یہیں آتا ہی نہیں
یعنی فی الجملہ نتیجہ یہ نکالا تم نے
میں گیا وقت ہوں! جاتا ہوں تو آتا ہی نہیں
"وقت" کہتے ہو مجھے! سچ ہے، مگر یہ تو کہو!
پہلے تو وقت میسّر کبھی ہوتا ہی نہیں
اور میسّر ہو تو پھر قدر کرو قدر کرو
کہ جو جاتا ہے تو پھر حشر تک آتا ہی نہیں
میں تو ہوں "وقت" ملو گر تو غنیمت سمجھو
میں بھی سمجھا ہوں تمھیں وقت کہ ملتا ہی نہیں
آؤں گا "آٹھ بجے ٹھیک" میں انشاء اللہ"
پھر نہ کہنا مجھے رنجور کہ آتا ہی نہیں

ابوالکلام محی الدین احمد

خاک برسرم باد کہ امروز باز فکرِ شعر کردم، استغفراللہ، استغفراللہ۔

قطعہ

آزاد کل جو سیر کو صحرا کی میں گیا
دیکھا کہ ایک شخص وہاں بے قرار تھا
اپنی بنا کے قبر اسے دیکھتا تھا وہ
پھر دیکھ کر اسے وہ بہت زار زار تھا
کہتی تھی اس کو خلق کہ دیوانہ ہو گیا
دیکھا جو میں نے ایک ہی وہ ہوشیار تھا

قطعہ

تضمین بر مصرع ہائے حضرت امیر بینائی

چھیڑو نہ مجھے ، کہ ہم صفیرو
"مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے"
مجھ سے نہ کہو فسانۂ قیس
"دیوانے کو ایک ہو بہت ہے"

قطعۂ تاریخ انتقال امیرؔ مینائی

دریغا امیر احمد لکھنوی ... کہ تھے ہند میں شاعر بے نظیر
وہ طورِ سخن کے تھے گویا کلیم ... سپہر معانی کے بدرِ منیر
فراہم کیا شاعروں کے لیے ... تصانیف سے اپنی گنجِ خطیر
فصیح و بلیغ و متیں سب کلام ... ہر اک شعر دیوان کا دل پذیر
لغت میں لکھا وہ امیر اللغات ... ہیں مداح جس کے صغیر و کبیر
سمجھتے وہی لوگ ہی ان کی قدر ... اگر ہوتے اس وقت سوداؔ و میرؔ
صد افسوس دنیا سے وہ چل بسے ... کرے مغفرت ان کی ربِ قدیر
دکن کھینچ کر لے گئی ان کو موت ... اُسی سرزمیں کا تھا شاید خمیر

لکھو ان کی رحلت کا آزادؔ سال
جگر سوز بزمِ سخن بے امیرؔ

۱۳۱۸ھ

(خدنگ نظر لکھنو۔ نومبر ۱۹۰۰ء بہ حوالۂ مولانا آزاد البم)

قطعۂ تاریخ تصنیف تذکرۂ صادقہ[1]

مژدہ اے والہانِ صادق پور
مژدہ اے عاشقانِ روے وطن
حضرتِ مولوی "عبدِ رحیم"
صاحبِ علم و ماہرِ ہر فن
تذکرہ یہ انھوں نے لکھا ہے
جس کی تعریف میں زباں الکن
نقطہ نقطہ ہے خالِ روے بتاں
صفحہ صفحہ بیاضِ صحنِ چمن
واقعاتِ صحیح لکھتے ہیں
جس میں کچھ بھی نہیں ہے جاے سخن
تذکرہ یہ وطن کا لکھا ہے
اس پہ شیدا ہیں عاشقانِ وطن
اس میں لکھا ہے حالِ "صادقپور"
جو کبھی تھا علوم کا گلشن
جو بزرگوں کا تھا کبھی ملجا
جو بزرگوں کا تھا کبھی مسکن

---

[1] تذکرۂ صادقہ (پہلا ایڈیشن) صفحہ ۲۷ تا ۴۷ پر مطبوعہ فارسی تقریظ فارسی کلام کے ضمن میں ملاحظہ ہو۔

عالم و فاضل و ادیب و حکیم
الغرض کاملوں کا تھا مخزن
شمعِ بزمِ کمال کہیے انھیں
جن سے بیت العلوم تھا روشن
ان کو کہیے زرِ کمال اگر
اس کو کہیے کمال کا معدن
ہائے دیکھو یہ گردشِ دوراں
ہائے دیکھو زمانے کے یہ چلن
اک خزاں لوٹ لے گئی سب کچھ
اب نہ وہ پھول ہیں نہ وہ گلشن
ہاں فقط یادگار ہیں باقی
جن سے اب نام ان کا ہے روشن
میرے مخدوم حضرتِ رنجورؔ
جن کی توصیف، یعنی ناممکن
ان کا ارشاد تھا لکھو! تاریخ
ان کا اصرار تھا کہ تعجیلاً
تھی اسی فکر میں پریشانی
غور میں تھا کہ ناگہاں فوراً
دل سے آزادؔ کو ملی تاریخ
ہے طرا زندہ ذکر اہلِ وطن

۱۳۱۹ھ

ولہ

اس رسالے کی کس سے ہو تعریف
واقعی فیض کا مقالہ ہے
ہر روایت ہے مستند اس کی
معتبر اس کا ہر حوالہ ہے
سر سے آزاد لکھ دو ہجری سال
خیرِ آفاق یہ رسالہ ہے

۱ + ۱۳۱۸ = ۱۳۱۹ھ

ولہ

تاریخِ طبع کتابِ مذکور

چاپ کردند ایں کتابِ نفیس
فکر شاں را صد آفریں بادا
از لبِ ہاتف ایں ندا آمد
سرمۂ چشم ناظریں بادا

۵ + ۱۳۱۵ = ۱۳۲۰ھ

قطعۂ تاریخ جشنِ تاجپوشی حضور ملک معظم

ہوئی لندن میں از فضلِ الٰہی
نہایت شان سے جب تاج پوشی
کہا آزادؔ نے بڑھ کر ادب سے
مبارک شاہ کو اب تاج پوشی

۱۳۲۰ھ

قطعۂ تاریخ

از اثرِ خامہ خادم العلماء ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی مقیم کلکتہ

تھے معظّم مولوی احمد کبیر
دے گئے دنیا کو رنج لازوال

عاشقِ صادق رسول اللہ کے
جاں نثارِ حسنِ ربِّ ذوالجلال

ماہرِ تفسیر و اسرارِ حدیث
تھے سپہرِ علم کے بدرِ کمال

لب پہ ہردم ان کے تھا ذکرِ رسول
ذاکرِ اللہ ان کا بال بال

تھا خیال اللہ کا ہردم اُنھیں
گر خیال آیا یہی آیا خیال

دوڑے خوش خوش عشق میں حق کی طرف
جب کہا حق نے انھیں عبدی تعال

جس سے پھیلی تھی جہاں میں روشنی
ہوگیا اس بدرِ کامل کا زوال

ہے دعا آزاد کی ہردم یونہیں
ان پہ رحمت ہو تری اے ذوالجلال

سالِ رحلت یہ ملائک نے کہا
تھے بڑے درویشِ کامل اہلِ حال[1]

۱۳۱۹ھ

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ قطعۂ تاریخ "مجموعۂ قطعاتِ تاریخ بر رحلتِ مولوی احمد کبیر ساکن قصبہ پھلواری" سے ماخوذ ہے۔ بشکریہ محمد عالم مختارِ حق - لاہور

ساقی نامہ کے دو شعر

مولانا آزاد نے یہ دو شعر مولانا محمد یوسف جعفری رنجور مرحوم کے نام ایک خط میں تحریر فرمائے ہیں۔ لکھا ہے کہ ساقی نامہ کی ابتدا کر دی ہے دو شعر لکھ چکا ہوں، اِس کے بعد یہ دونوں شعر تحریر کیے ہیں اور دریافت کیا ہے: 'کیا یہ بحر مناسب ہے؟ خط میں ساقی نامہ کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں شاید یہ وہ ساقی نامہ ہو جو تہنیت جشنِ تاجپوشی ملک معظم کی تقریب سے لکھی جانے والی مثنوی میں شامل ہے۔ اس خط پر تو کوئی تاریخ درج نہیں جس سے یہ دونوں شعر نقل ہوئے ہیں البتہ جشن تاج پوشی کے سلسلے کا مشاعرہ ۲۵ رجون ۱۹۰۲ء کو کلکتہ میں ہوا تھا اور مثنوی اور قطعات تاریخ اسی موقعے کے لیے لکھے گئے تھے۔ ممکن ہے ساقی نامہ کے اِن اشعار سے تذکرۂ صادق پر تقریظ میں مثنوی کا آغاز کیا ہو۔ اشعار یہ ہیں:

ساقیِ ماہ لقا نیک شیم — یک نگہ بر من محزوں ز کرم
اے خدا اے تو شوم بندہ نواز — جام دادہ ز مئے راز و نیاز[۱]

۱؎ خدا بخش لائبریری جرنل، پٹنہ۔ نمبر ۴۷ صفحہ ۱۵

ابیات

اے گلشنِ سخن کے ہواہ خواہ شائقو
آؤ مزے بہارِ گلستاں کے لوٹ لو[1]

رازِ الفت کھل گیا باطن جو تھا ظاہر ہوا
اب تو ہے سب کی زباں پر جو ہمارے دل میں ہے[2]

ہوتا ہے مجازی سے حقیقت کا توصّل
ہے نفع بھی اس عشق کے ہمراہ ضرر بھی[3]

بھاگتی پھرتی تھی دنیا جب طلب کرتے تھے ہم
اب کہ جب نفرت ہوئی خود بیقرار آنے کو ہے[4]

---

[1] مولانا نے یہ شعر حکیم خاقانی شروانی والے مضمون میں استعمال کیا ہے۔ اصل میں مصرعۂ ثانی اس طرح تھا "آؤ آؤ بہارِ بے خزاں کے مزے لوٹ لو" اس میں یقیناً سہو ہے [2] مولانا نے اپنے مضمون "ممالکِ اسلامیہ اور سید احمد خانی خیالات" کی ابتدا اسی شعر سے کی ہے۔ [3] عربی کا مشہور مقولہ ہے "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ" مولانا آزاد نے اسی کا ترجمہ کر دیا ہے فرماتے ہیں" اس کا لطیف ترجمہ دیکھنا ہو اردو ہی نظم میں تو راقم الحروف آزاد کا یہ اردو شعر دیکھ لو" مخزن لاہور اگست ۱۹۰۲ء مضمون "خاقانی شروانی"۔ [4] اردو ادب آزاد نمبر علی گڑھ ص ۲۲۳ مضمون "مولانا ابوالکلام آزاد اور شاعری" از جناب عبدالغفار شکیل۔

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں[1]

وعدۂ وصل بھی اک طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی ان کو کبھی یاد نہ ہو[2]

غنچوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا ہے کس نے باغ کو بلبل کے خون سے[3]

---

[1] بہ روایت و بہ شکریہ شورش کاشمیری مرحوم۔ [2] نقش آزاد (مکتوب مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۴۳ء) ص ۱۰۸۔ مولانا کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شعر ۱۹۰۱ء کا یادگار ہے۔
[3] غبار خاطر (مکتوب مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۳ء)

قصد کرتا ہوں جو اس جا سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو جا، میں نہیں جانے کا[۷۴]

---

۷۴ رانچی میں نظر بندی سے رہائی کے وقت۔ اواخر ۱۹۱۹ء یا آغاز ۱۹۲۰ء۔ اسی مضمون کا ایک شعر نواب خان بہادر خان بہادر معروف کا ہے:

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو چل، میں نہیں آنے کا

خان بہادر خان، نواب ذوالفقار خان کے بیٹے اور روہیل کھنڈ کے حکمراں حافظ الملک حافظ رحمت خان کے پوتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں حصہ لینے کے جرم میں ۲۴ مارچ ۱۸۶۰ء کو انھیں بریلی میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ مولانا حسرت موہانی کو ان کا دیوان مل گیا تھا۔ اور انھوں نے اردوے معلّیٰ (کان پور شمارہ جولائی تا نمبر ۱۹۲۷ء) میں اس کا انتخاب شائع کر دیا تھا۔ ممکن ہے مولانا نے اسے معروف کے شعر ہی کی حیثیت سے پڑھا ہو اور حافظے میں یہ شعر اسی طرح محفوظ ہو۔ مولانا نے اپنا شعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔

فارسی کلام

غزل فارسی

(مشاعرہ منعقدۂ کلکتہ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۲ء بہ سلسلۂ جشنِ تاجپوشی شاہِ برطانیہ)

کنی ز گریہ اگر منع چشمِ گریاں را
رواں بود کہ ندیدی شبانِ ہجراں را
توانم آں کہ کنم ضبطِ آہ و افغاں را
مگر علاج بگو چیست چشمِ گریاں را
الٰہی! چشمِ فسوں ساز را چہ مستی ہاست
کہ مست و بے خبر انداخت ہوشیاراں را
دریں مشاعرہ حرفم نمی تواں فہمید
چہ طور گویم الٰہی بیانِ پنہاں را
برو برو تو طبیبا! چرا بمن آئی
بغیرِ مرگ دوا نیست دردِ ہجراں را[1]

---

[1] اپنچ پٹنہ ۔ ۵ جولائی ۱۹۰۲ء بحوالۂ اردو ادب علی گڑھ (آزاد نمبر)

فارسی رباعیات

(۱)

نقّاش چو نقش ساز اند از تو بود
دل دادۂ صورت گری نازِ تو بود
یک شب ہمہ صرف زلفِ مشکیں تو کرد
یک روز تمام چہرہ پردازِ تو بود

(۲)

ساقی ! ساقی ! بدہ بدہ جام بجام
عمرِ تو دراز باد و وقتِ تو بکام
ایں تشنہ لبیِ من و ایں شورِ عطش
پر کن پر کن کہ کارِ من تمام است تمام

(۳)

گر عیش طلب کنی زمستاں آموز
واز غم خود زتنگ دستاں آموز
مردنِ خویش حقِ تست لیکن زاہد!
خوش زیستن از بادہ پرستاں آموز

(۴)

ساقی تو نگاہ کن بریں ابر و بہار
یک ساغر مے دہد و بیں لطف خمار
وقتیست کہ ماہ روے با ناز و ادا
یک زیر نظر باشد و یک زیرِ کنار[1]

(۵)

در دہر ز لطفِ او نہ شد طبعم سیر
بر بالا روم کہ خود نہ بالاست نہ زیر
اے عمر برو برو کہ یادِ تو زیاد
اے مرگ بیا بیا کہ یادِ تو بخیر[2]

---

[1] ماہ نامہ مہر نیم روز کراچی مئی، جون، جولائی ۱۹۵۸ء۔
[2] اپنچ بہنہ ۵ جولائی ۱۹۰۲ء بحوالہ اردو ادب علی گڑھ (آزاد نمبر)

تقریظ بر تذکرۂ صادقہ

تذکرۂ صادقہ کے پہلے ایڈیشن میں مولانا آزاد کی جو تقریظ شائع ہوئی تھی۔ اس کے آخر میں مولانا نے فرمایا تھا:

"اپنے مکرم دوست جناب مولانا محمد یوسف جعفری چیف مولوی بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ کی فرمایش سے میں نے ایک مثنوی فارسی تقریظ میں نظم کی تھی جو دقت گنجایش کے سبب سے یہاں درج نہ ہو سکی۔ تین قطعات درج کرتا ہوں۔"

نثر میں مولانا کی تقریظ کے علاوہ قطعات تاریخ تذکرہ صادقہ کے پہلے ایڈیشن میں شائع ہو گئے تھے۔ لیکن فارسی نظم میں یہ تقریظ جیسا کہ مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ دقت گنجایش کی وجہ سے شامل نہ ہو سکی تھی۔ فارسی کی یہ تقریظ مولانا نے حضرت رنجور مرحوم کی فرمایش پر لکھی تھی اور انھیں کو دے دی تھی۔ یہ فارسی تقریظ دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئی جو محترم قدرت اللہ فاطمی صاحب کے شکریے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

اے ساقی خوش خرام برخیز	از مے بہ بہارِ گل چہ پرہیز
ابریکہ ز کوہسار آمد	در موسمِ پر بہار آمد
کایام ربیع و نوبہار است	ایں وقتِ نشاط و وصل یار است
شادیم کہ ابر ہم رسیدہ	بر دوش ہوائے خوش پریدہ

اس تقریظ کے وہ اشعار جن پر نشان * بنا ہے اس مثنوی میں بھی شامل ہیں جو مولانا نے جشن تاجپوشی کے مشاعرہ منعقدہ کلکتہ بتاریخ ۲۵ رجون ۱۹۰۲ء کے لیے لکھی تھی اور "اپنچ" مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

وقتے است کہ دورِ ساغرِ مے — مطرب بدر آید از دف و نے ؞

چوں نغمہ شود بہ شورِ قلقل — کاں سیر بود بہ صوتِ بلبل ؞

از محتسباں مترس گاہے — بر ابرِ محیط کن نگاہے ؞

خنداں چو گل اند گل فروشاں — سرشارِ رحیقِ بادہ نوشاں ؞

پر کن مۓ بے خودی بہ ساغر — تا ایں لب خشک شود کنم تر ؞

از بادۂ معرفت بدہ جام — تا کارِ خرد شود بانجام

گل جام بکف در انتظارت — مل آں کہ غم رود بغارت

گر بادۂ ناب نیست ساقی — از بادۂ علم کن تلافی !

آں علم کہ زاں شود منوّر — ایں سینۂ عالماں برتر[1]

آں عبدِ رحیمِ اہلِ عرفاں — آں شمع فروزِ بزمِ ایماں

دیں پرور و پیرِ و مشائخ — ہر ہر قدمش بہ شرع راسخ

کیفیتِ شاں بہ دُرِّ منثور — بہ خوبی و حسن کرد مذکور

احوالِ خدا رسیدگانست — حرفش ز سواد نورِ جانست

مہریست کہ بے زوال آمد — ماہیست کہ باکمال آمد

آں را کہ سرے بہ نکتہ دانیست — داند کہ چہ ریزشِ معانیست

باشد بہ کف خرد پسنداں — چوں ساغرِ مے بہ دستِ رنداں

یارب بہ طفیلِ بے نیازی — وز صدقہ آں شہِ حجازی

"ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
توقیعِ قبول روزیش باد[2]"

---

[1] مولانا نے یہ شعر لکھ کر کاٹ دیا ہے، جیسا کہ عکس سے ظاہر ہے۔

[2] یہ شعر حضرت امیر خسرو کا ہے۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں (قلمی) مخزونہ کتب خانہ اردو ڈکشنری بورڈ۔ کراچی

تاریخِ طبع تذکرۂ صادقہ

چاپ کردند ایں کتاب نفیس
فکرِ شاں را صد آفریں بادا
ازلبِ ہاتف ایں ندا آمد
سرمۂ چشم ناظریں بادا

۵ + ۱۳۱۵ھ = ۱۳۲۰ھ

ایک شعر

مولانا آزاد کا یہ شعر "ارمغان آزاد" میں شامل نہیں۔ محترم حکیم نصیرالدین اجمیری (کراچی) کے حافظے میں محفوظ تھا۔ "ارمغان آزاد" آں موصوف کی نظر سے گزری تو انھوں نے یہ شعر حکیم سید محمود احمد برکاتی کو سنایا۔ برکاتی صاحب نے خاکسار کو تحریر فرما دیا۔

بعد میں یہ شعر خود مولانا کے قلم سے البلاغ میں (شمارہ (۱) ص (۱۵)) چھپا ہوا نظر آگیا۔ مولانا نے البلاغ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں "دارالارشاد" کے تحت لکھا تھا: "اب سے آٹھ سال پہلے میں نے ایک قصیدے کی تشبیب میں کہا تھا"، اور پھر یہ شعر نقل کیا۔ یہ قصیدہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا۔ معلوم نہیں موضوع کوئی شخصیت تھی یا علم و فن؟

ہر موجِ معانی کہ ز جیحونِ دلم خاست
تا ساحلِ لب آمدہ بر تافت عناں را

مثنوی

متضمن بہ تہنیتِ تاجپوشی حضور ملک معظم از اثر خامہ جناب ابو الکلام محی الدین احمد صاحب آزاد دہلوی مقیم کلکتہ، مؤلف رسالہ الہیئت فی علوم الجدیدہ والاسلام۔

تمہید عاشقانہ و طلب مے از ساقی

اے ساقی مست عشق مستم
مے دہ، مے دہ کہ مے پرستم

اے بادہ فروش ملکِ مستی
وے، ہستی جان و جانِ ہستی

مستیم بذوقِ بادۂ تو
اے منزل امن جادہ تو

کایام بہار شادمانی ست
ایں وقت نشاط و کامرانی ست

از کسبِ ضیا نمود موجود
برگل بچمن چراغ بے دود

شادیم کہ ابر، ہم رسیدہ
بر دوش ہوائے خوش پریدہ

امروز چراغ گل بہ گلشن
کردست نسیم صبح روشن

خنداں چو گل اند گل فروشاں
سرشار رحیقِ بادہ نوشاں

وقتے ست کہ دورِ ساغرِ مے
مطرب بدر آید از دف ونے

چوں نغمہ شود بہ شورِ قلقل
کاں سرمہ بود بصوتِ بلبل

زاہد بحدیثِ مستیٔ ما
شاکی ز طریق ہستیٔ ما

البلاغ، پٹنہ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء بہ حوالہ اردو ادب، علی گڑھ (آزاد نمبر)

اما ز کلام او میندیش　　کاں راز فراق مے غم خویش
از محتسباں مترس گاہے　　بر ابر محیط کن نگاہے
قاضی چو ز ما شود نہ راضی　　در شیشہ کنیم ریش قاضی
اے ساقی جام ارغوانی　　تا چند ز درد قصہ خوانی
ماییم نگار ما در آغوش　　آواز سرود عشق در گوش
ہم پیش نظر شراب رنگیں　　لیکن ز غمت دلست غمگیں
اے پیر مغاں تساہلی چیست　　با بادہ کشاں تغافلی چیست ؟
ایں پستی ز ہمتت زمستاں　　بالا خوانی ز مے پرستاں !

تجاہلِ عارفانہ و کیفیّتِ وجدانی

ساقی در دستِ تو چہ چیز است　　ساقی ساقی بگو چہ چیز است
ایں چیست شراب ارغوانیست　　با گویم آب ارغوانیست
ہاں ہاں بوے کسے شمیدم　　یعنی گلہاے حسن دمیدم
نے نے ایں رنگ روے یارست　　نے نے ایں بوے گل عذارست
ایں پیر مغان نیک فرجام　　کایں بادہ ز شیشہ ریخت در جام
ہاں ہاں یعنی اشارۂ کرد　　حیراں یعنی اشارۂ کرد
مے دہ مے دہ دگر صداے　　یعنی عنقا صفت نواے
چشمے دارم بگو نہ بینم　　گل می بینم چرا نہ چینم
مفتوں شدم و دگر چہ گویم　　مجنوں شدم و دگر چہ گویم

تشبیہ عاشقانہ از شرابِ ناب

رحمے رحمے علیل ہستم　　یعنی بے قال و قیل ہستم

ایں بادۂ ناب و حال آزاد — یعنی خانہ خراب و آباد
آں درد چو بود ایں دوا شد — آں ساز چو بود ایں دوا شد
بلقیس چو او ست ایں سلیماں — قبلہ است گر او ست ایں مسلماں
آں ناز بود نیاز این است — واں پردہ بود کہ راز این است[1]

غایت طلبِ شراب

پر کن مے بے خودی بہ ساغر — تا ایں لب خشک خود کنم تر
جز بادہ دگر سرے نہ دارم — جز مے ہوسے بدل نہ آرم

تمہید دگر بہ گریز طرفِ مقصود

ہاں ساقی خوش جمال برخیز — در جام بلور بادہ را ریز
بیروں ز سرائے خود قدم نہ — ساغر ز مے کہن بہم بہ
ہر سوز طرب صدا بلند است — ہر شخص بہ عیش پابہ بند است
ہر سمت صدائے عشرت انگیز — مینائے جہاں ز بادہ لبریز
ہر ذرہ ز جوششِ صفائی — می کردۂ آئینہ نمائی
آئینہ یک و تمام دیدہ — یک جلوہ جا بجا رسیدہ
ہر حوض چو جامِ بادہ ناب — در شوق کسے دہن پُر از آب
ہر دل بہ طرب سرور دارد — ہر سر بہ سرِ شش غرور دارد
بلبل بہ چمن زنغمہ خوانی — مست است بنازِ خوش بیانی
پر کن بہ مے بہار مخمور — خون ست بہ خوشہ ہائے انگور

---

[1] یہ شعر حضرت امیر خسرو کا ہے۔

جشنِ تاجپوشی

ایوان فلک چہ زرنگار است — در بزم فلک چہ ایں بہار است
زد نعرۂ مست بادہ نوشاں — شوریست بگوے مے فروشاں
عیش است براہِ سر نہادہ — آغوشِ طلب رہے کشادہ
ہر شاہد حسن جلوہ آرا — ہر شوق طرب بدست آرا
در گوشِ دلم عجب صدائے — مستم چو رباب زیں نوائے
جشنیست کہ جشن شادمانی — خوش راحت و عیش زندگانی
شد تخت نشیں بہ تختِ انگلینڈ — خوش بخت شد است بختِ انگلینڈ
یعنی اڈورڈ شاہِ جمجاہ — شد تخت نشین بہ عزت و جاہ
شاہیست چہ شاہ مہربانی — در کشور علم حکمرانی !
اقبال زپائے او مقیم است — از رشک دل شہاں دو نیم است
محسود کہ شغل او شب و روز — فریاد و فغان و آہِ دلسوز
دولت چو غلامِ خانہ زادش — صولت زصدائے او بپالش
آہوے کرم بہ او رمیدہ — شہباز ہمم بہ او پریدہ
اطراف زمیں تہِ نگینش — شوکت بہ جہاں شدہ مکینش
صد گنج مراد زیرِ پایش — صد راہِ نشاط سوے جایش
افراختہ رایتِ سیاست — ممتاز بہ حشمت و فراست
اے غازۂ حسن خاک راہش — خورشید ستارۂ کلاہش

فرخندہ بہ چشمِ دل نگاہش
ما راز جہاں سزد پناہش

گریز بہ دُعا

سرخوش ز شرابِ مدح بودم   غوطہ زنِ آبِ مدح بودم
کامد ناگہ صدائے دلبر   ہش دار مقام خویش بنگر
تو لائقِ مدح نیست آزاد   بس کُن، بس کُن دعائے دلشاد
دستم بدعاء کنوں بر آرم   کاے ربِّ قدیر کردگارم
باشد بہ ادب قیامِ شاہی   با صولت و رعب و عزّ و جاہی

قطعۂ تاریخ[1]

نتیجۂ طبعِ وقار مولوی محی الدین احمد صاحب آزاد دہلوی

ہوئی لندن میں از فضلِ الٰہی
نہایت شان سے جب تاجپوشی
کہا آزاد نے جوشِ طرب میں[2]
مبارک شاہ کو اب تاجپوشی
۱۳۲۰ھ

---

[1] خدنگ نظر، لکھنؤ۔ اگست ۱۹۰۲ء [2] البنیج پٹنہ کے حوالے سے اُردو ادب علی گڑھ میں جو قطعہ نقل ہوا ہے، اس میں یہ مصرع اس طرح ہے: کہا آزاد نے بڑھ کر ادب سے۔

عکسِ کلام

مولانا ابوالکلام آزاد

غزل

غزل برائے مشاعرہ تاریخ ۷ اکتوبر ۱۹۱۰ء مرتبہ منشی [illegible] صاحب
[illegible]

مصرع طرح

[illegible]

۱

۴ [illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
[illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
[illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
۳ [illegible] / [illegible]
۴ [illegible] / [illegible]
۴ [illegible] / [illegible]
[illegible] / [illegible]

۳ گزرے ہیں یوں کہ وہ ماہ کہ ملتا نہیں کچھ چین — رہتے ہیں یوں کسی کے دل بیقرار میں

دل دیکھ فرش عشق تو کیا کہیے ادا — چلو ہواے شبیب سرو دو گل بار میں

اے دل جناب نا تو بدیں نے قرب یہ — بلبل کا نالہ [illegible] بہار میں ؟؟؟

۳ ایسی ہیں پیں ہم نے دل ہو کہ [illegible] — نامہ لکھا ہے کیسو تو خط غبار میں

۲ ہاں کہیے وصف کا کہی یکایک [illegible] — مخزن اور [illegible] شکار میں

۳ کہتے ہیں نہ دیکھی وعدہ خلافی [illegible] — انجام مرتب ہے جو شب انتظار میں

۳ نہ ہو کہ یہ یوں کہ محبت [illegible] — انوری کوئی بات نہیں اختیار میں

۳ اے موت [illegible] آ [illegible] علاوہ کہی — آنکھیں ہیں ایک عمر سے وہ انتظار میں

۲ تصویر [illegible] وہ شب وعدہ [illegible] — تکلیف انتظار رہی انتظار میں

۳ افسردگی عاشق نہیں [illegible] — سینے میں [illegible] مردہ مزار میں

۲ خون جگر [illegible] آ [illegible] — وہ دور اگر نہیں ہے تو خوشگوار میں

۲ موقوف آرزو یہ [illegible] — [illegible] شمار میں

۲ سمجھو [illegible] تکلیف انتظار — بیٹھو [illegible] خون نا بہار میں

۲ سودا [illegible] زلف و رخ میں [illegible] انتشار — آنے [illegible] گردش لیل و نہار میں

۲ فرقت [illegible] تصور میں [illegible] — ایسی [illegible] ابروے یار میں

۲ [illegible] — جنبش [illegible] آج نہیں جسم زار میں

۲ وہ پوچھتے ہیں [illegible] کیسا مزاج ہے ؟ — اب کیا ہے یوں زبان نہیں اختیار میں

[illegible]

بیٹھے ہیں تیری جا آپ تو پہلو میں غیر کے — ہاں ہاں ہو گئے کسی کے وہ ہم آج [illegible] ہیں

[illegible] — ہیں زلف و رخ کے عشق میں قربان یار ہیں

مست رہیں [illegible] خاک [illegible] — [illegible] چشم [illegible] ہیں

[illegible] زیر زمیں جا کے [illegible] — حبیب [illegible] یار ہیں

[illegible] + — آنا ہے لطف [illegible] رفتار ہیں

شب آرزو میں [illegible] شب وصال — دو چار [illegible] آج [illegible] ہیں

ہیں آپ سے کدورت [illegible] — منہ [illegible] رہے ہیں

پوچھا کسی عزیز نے [illegible] — [illegible] قرار ہیں

کہتے [illegible] ہے — [illegible] ہیں

شکوہ [illegible] — سب [illegible] روزگار ہیں

[illegible] کشمکش — ہیں [illegible] یار ہیں

[illegible] کمال ہے — کیا [illegible] پروردگار ہیں

[illegible] — کیا [illegible] ہیں

جسم [illegible] — خوشبو [illegible] ہیں

[illegible] — کیا سرخ سرخ پھول ہیں فصل بہار ہیں

[illegible] — دل [illegible] اختیار ہیں

٩

٢ وہ گرماتی ہیں پیرہن گلہ وہ بت	اٹھتے ہیں شان ایاز آپ بیٹھے ہیں اس شتر میں
٤ ٢ ہا ہا ہا بیگمے ہا مجکو ذرا سے	جب آپ ہی کا گرد لگے اختیار میں
٢ کشتیں نہ یوں نگاہ میں فرو نگار تو	رہتے ہیں ہا ہا تصور تیرا ہا ن یار میں
٢ جیسو شب وصال بنیا ہے خیال ہا بجر	آتا نہیں ہے ہا ہا خزاں کا بہار میں
٢ تیرے خیال وید بیدار کرد ہا	جب آنکھ ہا تنگ لگی مری دل بر قرار میں
٢ اچھا مرا مرادوں بی گیا جانے ہی گئی	دونوں دو آب تنہہ مجھے گئے مزار میں
٢ ایک دن خدا نہ یاد میں بابہ مرض کا ہو	ہاں کو کیا ہا پیہ سکندہ روز گار میں ٩
٢ جیسے کہ ہے جب رقیب کو بیدار دن میں	اتنے رہے عجب ہا ہاں جیسے کا فراق میں
٢ میرا دل شگفتہ ہا بہی ہا ادنیٰ پرو لیا	اکملا پہول اور بہار ہا کھلا پہولوں کا ہار میں
٢ افشاں کہ یاد میں سرتہ ہا جا ہی ہو	ذرے ہی ہا ہو ہا ہیں نہیں گرد و غبار میں
٢ ٢ گرد تنہہ اختیار نہیں ہا ہے نہیں کسی !!	٣ تم ہا ہی ہا کر دل ہا نہیں اختیار میں
٢ یوں نگاہ تنہہ ہا تحہ بر سے جو آئے ہا میں	یہ تے ہے چین ہا ہوں میں دن بہر فراق میں
٢ دیر گئی ہو کہ پر سے کراو رف رنگا رنگ ہا	٢ تو ناچو گر تہ جان کو بس تیرا ہی یار میں
٤ ٢ بود انیہ جنوں ہا ہے نیا و لوٹ نے	اب اور رہا ہا ہے ہا اب یار میں

وہ دہ وہ وہ دیدہ وہ دہ

ٹرا او کو ہوا ہی تیا ہی کا یہ ملال

٢ سکو صبا ہا ہیں تا ہا ہو در میں

بانثر

قطعہ فی البدیہہ

بڑے عزیز مخمور!

گرچہ ہے وعدہ خلافی مری ثابت ہم پر
اور وعدہ مرا پورا کبھی ہوتا ہی نہیں!

پھر جو وعدہ بھی ہو پورا تو یہ شکوہ ہے ممکن
کہ کبھی وقت معین پہ میں آتا ہی نہیں!!

یعنی فی الجملہ نتیجہ یہ نکالا تم نے!!
میں پس وقت ہوں! جاتا ہوں تو آتا ہی نہیں!

"وقت" کہتے ہو مجھے! سچ ہے! اگر یہ تو کہو!
پہلے تو وقت میسر ہی ہوتا ہی نہیں!

اور میسر ہو! تو یہ قدر کرو قدر کرو!
گزر جاتا ہوں تو پھر حشر تک آتا ہی نہیں!

میں تو ہوں "وقت" ملو گر تو غنیمت سمجھو!
میں ہی سمجھا ہوں تمہیں وقت کہ ملتا ہی نہیں!

آؤں گا آج تجھے ملنے میں انشاء اللہ!

پھر نہ کہنا مجھے (ابو نور!) کہ آتا ہی نہیں

ابو اللہ [illegible]

نشاں ہر کس باد کہ امروز باز نشنو گردم استغفر اللہ! استغفر اللہ!

[illegible]

۱ ای ساقی خوش [illegible] بزن چنگ!	الحمد [illegible] به بهار گل [illegible]!
۲ ابر [illegible] آمد	در [illegible] بهار [illegible] آمد
۳ [illegible] وز بهار است	از [illegible] وصل یار است
شمیم گل [illegible] رسیده	بر دوش هوا [illegible]
در [illegible] دست [illegible]	[illegible] ز [illegible]
[illegible] غنچه [illegible]	[illegible] به [illegible] بلبل
ز گلستان [illegible]	برابر محیط [illegible]
خندان [illegible]	[illegible] باده [illegible]
[illegible]	[illegible]
ز باده [illegible]	[illegible]
گلها [illegible]	گل [illegible]
باده [illegible] ساقی!	از باده [illegible]!
~~[illegible]~~	~~[illegible]~~
~~[illegible]~~	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
~~[illegible]~~	
[illegible]	[illegible]

[illegible]

غزل

[illegible] ... [illegible]

[illegible]

[illegible] ... وینم

[illegible] ... وینم

[illegible]

[illegible] ... وینم

[illegible]

[illegible] ... وینم

[illegible]

[illegible] ... وینم

[illegible]

[illegible] ... وینم

[illegible]

[illegible] ... وینم

[illegible]

[illegible]

[illegible] ز [illegible] راه [illegible]

[illegible] از [illegible] است

[illegible] آزاد و طالب دیدار

[illegible] است

بنام نامہ

از نیر

غلام آزاد

بنام

نواب عفیف زبانیں

یہ نوازش نامہ [illegible] ہاتھ آپ کی [illegible] کا جواب [illegible] ہے — [illegible] خطاب [illegible]

[illegible] میں ہے — افسوس [illegible] لطف [illegible] ہے —

افسوس [illegible] ہے [illegible] آئی [illegible] ہے —

قطعہ

[illegible] آزاد [illegible] میں لیا   دنیا [illegible] رہتا

[illegible] قرار دیتی [illegible] دے   [illegible] آزاد [illegible]

[illegible] دیوانہ ہو   [illegible] ہشیار رہتا

[illegible] معشوق   مجھ [illegible] ہے

[illegible] نشانہ [illegible]   دیوانہ [illegible] ایک [illegible] ہے

[illegible]   [illegible] اپنا

[illegible]   [illegible]

باقی بعد

ضمیمہ: ۰

دیوان آزاد

مرتبہ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل پر ایک نظر

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل کو جن علمی موضوعات اور شخصیات سے دل چسپی ہے' ان میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں۔ مولانا آزاد کے بارے میں انھوں نے کئی مفید کام کیے ہیں۔ میری نظر سے ان کاسب سے پہلا مضمون۔ "مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی شاعری" کے عنوان سے اردو ادب ۔ آزاد نمبر (۱۹۵۹ء 'علی گڑھ) میں گزرا تھا۔ اس کے بعد "ابوالکلام کے افسانے" (۱۹۶۱ء 'علی گڑھ) کے نام سے ان کی ایک تالیف شائع ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں "نوادر ابوالکلام آزاد" کے نام سے مولانا آزاد کی تخلیقات 'تحریرات 'مکتوبات اور تقاریر کا ایک مجموعہ انھوں نے مرتب کر کے علی گڑھ سے شائع کروایا۔ اسی سال ان کا ایک مضمون مولانا آزاد اور ان کے بھائی ابوالنصر غلام یاسین آہ کے بارے میں آج کل' دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ اس طرح ابوالکلامیات کے دایرے میں انھوں نے اپنا مقام پیدا کرلیا ہے۔

اب ان انھوں نے "دیوان ابوالکلام آزاد" مرتب کیا ہے (۱) دیوان میں جو کلام سامنے آیا 'وہ وہی ہے جو خاکسار کی تالیف "ارمغان آزاد" کراچی (اشاعت ثانی) میں شامل ہے اور چونتیس اشعار کی ایک غزل وہ ہے جو ڈاکٹر شائستہ سلمہا نے مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کی بیاض مخزونہ خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ میں دریافت کی تھی اور ہماری زبان' دہلی (۸۔ جنوری ۱۹۸۹ء) میں شائع کرادی تھی۔ اس کلام کے ساتھ انھوں نے اپنا پہلا مضمون جو ۱۹۵۸ء میں لکھا تھا اور اردو ادب آزاد نمبر ۱۹۵۹ میں شائع ہوا تھا' بطور مقدمہ شامل کردیا ہے "دیوان ابوالکلام آزاد" ان کی اسی کاوش کا نام ہے۔

حاشیہ

(۱) یہ دیوان پہلے (ادارہ تحقیقات اردو 'پٹنہ کے علمی مجلے معیار و تحقیق (شمارہ اول) ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا' پھر اس سے الگ کر کے مستقل دیوان کی حیثیت سے شائع کیا گیا ہے۔ میرے سامنے "معیار و تحقیق" میں طبوعہ دیوان ہے (ا۔ س۔ ش)

مجھے یقین ہے کہ گذشتہ تیس سال کے عرصے میں بلا مبالغہ ہزاروں صفحات حضرت مولانا آزاد کے تعلق سے ان کی نظروں سے گزرے ہوں گے، معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا ہوگا، کئی پچھلے خیالات بدل گئے ہوں گے اور ان کی جگہ نئے افکار و معلومات نے لے لی ہوگی اور یہ بات تو ان کے بعض قریب العہد مضامین کے مطالعے سے محسوس کرلی جاسکتی ہے کہ تیس سال کی اس درمیانی مدت میں ان کے اسلوب تحریر و طرز نگارش میں نمایاں فرق پیدا ہوگیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نئی تحقیقات، تازہ افکار و معلومات اور اپنے تیس سالہ وسیع تجربے اور اس کے نتائج سے استفادے اور تازہ اسلوب تحریر کی دل ربائیوں سے لطف اندوز ہونے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ حالانکہ خاکسار جیسے طالب علم اور بعید الوطن شائقین ڈاکٹر صاحب موصوف اور ان جیسے دوسرے اہل علم و نظر اور اصحاب تحقیق کے مطالعے سے استفادے اور ان کے رشحات فکر و قلم سے اخذ مطالب و تزئین افکار کے متمنی رہتے ہیں۔ اگر دیوان آزاد اور ان کے مقدمے کے مطالعے سے ہماری ی آرزو پوری ہوتی تو ہمیں بہت خوشی ہوتی۔ لیکن انھوں نے ابوالکلام کے علاوہ اقبال، سرسید، لسانیات وغیرہ میں اپنی تحقیقات سے استفادے کے جو مواقع بہم پہنچائے ہیں۔ وہ ہماری خوشی کے لیے کیا کچھ کم ہیں! اس میں بھی ہماری مسرت اور ذوق کی تسکین کا کافی سامان ہے اور اس کے لیے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک ادنیٰ معتقد کی حیثیت سے ہمارے دل میں مولانا علیہ الرحمہ پر ان کے کاموں نے جو ارادت پیدا کردی ہے، اس کے اظہار سے قلم پہلے ہی عاجز تھا۔ اب اس کاوش سے ان کے لیے قلب کی ارادت میں اور اضافہ ہوا ہے اور اسی نسبت سے اظہار تشکر میں زبان اور قلم، دونوں کو مزید عاجز و درماندہ پاتے ہیں۔

لیکن دیوان کے مقدمے کی تحریر و کتابت میں بعض خامیاں رہ گئی ہیں یا کچھ معمولی غلطیاں رہ پاگئی ہیں، مناسب ہوگا کہ ان کی نشان دہی کردی جائے۔ اس سلسلے میں میرے پیش نظر خامیوں کا رفع، غلطیوں کی اصلاح، بعض ضروری وضاحتیں، قابل تحذیف کلام کی نشان دہی اور نئے دریافت شدہ کلام کا اضافہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل صاحب کی یہ کاوش ''دیوان آزاد'' دنیا کے سامنے آئے تو خامیوں سے پاک، اصلاح شدہ اور قدیم وجدید دریافت شدہ کلام کا جامع ہو اور کوئی ایسی چیز اس سے باہر نہ رہ جائے ہو جو ''ارمغان آزاد'' کی اشاعت ثانی کے بعد کسی صاحب علم و نظر کی کاوش سے اب تک سامنے آچکی۔

مطالعہ و تفہیم کی سہولت کے لیے "ایک نظر" کے مباحث کو مقدمہ، کلام اور اضافہ کے عنوان سے تین حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ مقدمہ سے مراد ڈاکٹر عبدالغفار شکیل صاحب کی ۱۹۵۹ء کی وہ تحریر ہے جو کلام کے ساتھ شامل ہے، کلام سے مراد مولانا ابوالکلام آزاد کی وہ تخلیقات ہیں جو خاکسار (ابوسلمان شاہ جہان پوری) اور ڈاکٹر شائستہ سلمہا کے شکریے کے ساتھ مرتب کردی گئی ہیں۔ اور اضافہ سے مراد آزاد کا دنیا دریافت شدہ کلام ہے۔

الف: مقدمہ

۱۔ معیار و تحقیق صفحہ ۲۶۷

"مولانا آزاد کے بڑے بھائی (ابوالنصرہ) کی شاعری نے مولانا کے طبیعت میں شعرگوئی سے جذبے کو ابھارا" دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد کی شاعری کے شوق نے ان کے بھائی آہ کی طبیعت میں شاعرانہ ذوق بیدار کیا اور شاعری کا شوق پیدا کیا تھا۔

۲۔ م ت، ص ۲۶۷ (۱) حاشیہ

مولانا آزاد کے بھائی آہ کا جو قطعہ حاشے میں نقل ہوا ہے۔ اس کا پہلا شعر اس طرح:

عدو کے ساتھ وہ تصویر اپنی کھنچوائیں نئے طریق سے اظہار رسم و راہ کریں

۳۔ م ت، ص ۲۶۸

"شاعری کے بے پناہ شوق میں "نیرنگ خیال" جاری کیا۔ یہ ماہنامہ قومی زبان کراچی کا ایک اقتباس ہے۔ اس میں "نیرنگ خیال" ہی چھپا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ شاعری کے شوق میں مولانا نے جو پہلا گلدستہ جاری کیا تھا، اس کا نام "نیرنگ عالم تھا"۔

۴۔ م ت، ص ۲۷۶

"مولانا آزاد جب جامعۃ ازہر سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئے تو....."

مولانا سے خاص تعلق رکھنے والے تو پہلے بھی اس حقیقت سے واقف تھے کہ مولانا نے جامعۃ ازہر میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ اور ۱۹۵۹ء میں انڈیا ونس فریڈم کی اشاعت کے بعد تو اب کسی کے لیے بھی یہ بات مکشوف نہیں رہی۔ ۱۹۵۸ء میں جب ڈاکٹر شکیل کے قلم سے یہ بات نکلی تھی تو تعجب نہ ہونا چاہیے تھا، لیکن ۱۹۸۹ء میں مقالے کی اشاعت کے وقت اس جملے کو بدل دینا ضروری تھا۔

(۱) م ت، ص کا مطلب ہے "معیار و تحقیق پٹنہ"

۵۔ اسی صفحے پر ڈاکٹر شکیل صاحب نے مولانا آزاد کے عشق مجازی کے واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن بطور واقعہ اس میں کچھ معلومات نہیں۔ مولانا نے تذکرہ میں اس حادثے کے بارے میں اشارات و کنایات اور شاعرانہ اسلوب بیان میں جو کچھ لکھا تھا اسی کو ملخصاً" نقل کردیا ہے اور نقل میں بھی پوری احتیاط نہیں برتی گئی۔ کئی بڑی بڑی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ قصہ قیام امرتسر کے زمانے (۷۔۱۹۰۶ء) کا ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم نے ان خاتون کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات کی تھی۔ بہت حسین و جمیل اور وجیہ خاتون تھیں، بڑھاپے نے ان کے چہرے کو پر رعب اور پر کشش بنادیا تھا۔ ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتی تھیں۔ مولانا کے کیریکٹر کی بہت معترف تھیں۔ مولانا کے پنجاب کے اور امرتسر کے قیام کے بہت واقعات کا وہ ذکر کرتی تھیں۔ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ۷۔۱۹۰۶ء میں مولانا آزاد امرتسر کی ادبی، علمی، تہذیبی اور مجلسی زندگی کی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ وہ مولانا آزاد کی بہنوں سے بھی ملی تھیں، شاید ان کے بھوپال میں مستقل قیام سے پہلے بہاول پور اور لاہور و امرتسر کے سفر کے موقع پر۔

تقسیم ملک کے وقت ان محترم خاتون کا خاندان لاہور منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں ان کے دو بیٹے حکومت پاکستان میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ شورش مرحوم نے بتایا تھا کہ وہ خاتون ۱۹۴۵ء کے بعد کے عرصے میں مولانا آزاد سے ملی بھی تھیں۔ ان کے پاس مولانا کے خطوط کا ایک ذخیرہ تھا۔ شورش مرحوم کے بہ قول انھوں نے بعض خطوط دیکھے بھی تھے۔ وہ مولانا کے ذوق کی پاکیزگی، طبع کی نفاست اور خیالات کی عظمت ان خطوط کے آئنے میں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے

شورش مرحوم کا بیان تھا کہ ان خطوط کی اردو ادب میں کوئی مثال نہ تھی۔ ایسی پاکیزہ تحریریں، ان کے بہ قول نظر سے نہ گزری تھیں بیشتر خطوط ادبی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی زندگی کے مسائل میں مولانا کے افکار سے مملو تھے جو خطوط ان خاتون نے شورش کو دکھائے تھے، ان میں بہ ظاہر "پرائیویٹ" اور راز والی کوئی بات، ان کے بہ قول نہ تھی۔ شورش نے ان خاتون سے ان خطوط کی اشاعت کے لیے کہا تو وہ آب دیدہ ہو گئیں اور بتایا کہ انھوں نے مولانا سے ان خطوط کو شائع کردینے کا ذکر کیا تھا تو مولانا نے فرمایا تھا کہ ان خطوط میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شائع نہ ہو سکے۔ لیکن یہ تحریریں زندگی کے ایک خاص دور کی یادگار ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ابھی ایسا کیریکٹر پیدا نہیں ہوا کہ ان تحریروں کے وہی معنی لے جو واقعی ان کے ہیں اور انھیں جذبات کے آئینے میں دیکھے، جن کے

مطابق یہ پیش کی جائیں گی۔ معاشرے کا' افراد کے ذوق سے جدا اپنا ذوق' اپنا رجحان اور اس کا اپنا مجموعی کیرکٹر ہوتا ہے۔ معاشرہ' ہر لفظ' ہر جملے اور ہر بیان پر اپنے ذوق اور کیرکٹر کے مطابق حکم صادر کرے گا۔ اس کے بعد ان خاتون نے خطوط کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اب معلوم نہیں وہ خطوط کسی صاحب ذوق یا ان کے خاندان کے کسی فرد کے پاس محفوظ ہیں یا ضائع ہو گئے؟

شورش مرحوم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے ان خاتون سے ملائیں گے لیکن میں لاہور گیا تو معلوم ہوا کہ وہ حیدر آباد (سندھ) میں ہیں جہاں ان کے بیٹے سرکاری فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں مقیم تھے۔ پھر شورش مرحوم کا انتقال ہو گیا اور ان خاتون کے بارے میں کچھ پتا نہ چل سکا۔

اب اتنی باتیں کہنے کے بعد سوچتا ہوں۔ یہ مجھے لکھنا بھی چاہیے تھا یا نہیں؟ بہ ظاہر تو اس میں کوئی غیر سنجیدہ بات نظر نہیں آتی۔

۶۔ م ت' ص ۲۷۸

مولانا کی تحریر کے اقتباس میں یہ جملہ اس طرح ہے:"...... وہ مرد کے ساتھ رفاقت بدنی اور ذہنی کا اقرار کرتی ہے"۔

۷۔ م ت' ص ۲۷۹ (رباعی)

اس صفحے پر یہ رباعی نقل ہوئی ہے:

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
مے خانے نے رنگ روپ بدلا ایسا میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

اس کے دوسرے اور تیسرے مصرعے میں کتابت کی جو دو غلطیاں تھیں' یہاں پر نقل میں ان کی تصحیح ہو گئی۔ لیکن اب یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ یہ رباعی مولانا نے صرف استعمال کی ہے' ان کی تخلیق نہیں۔ یہ رباعی در اصل مولانا کے بڑے بھائی ابو النصر غلام یاسین آہ کی ہے اور خدنگ نظر' لکھنؤ کی اشاعت بابت ماہ جون ۱۹۰۳ء میں انھی کے نام سے ان کی دیگر رباعیات میں داخل ہے۔

۸۔ م ت' ص ۲۸۰ سطرہ ۱۶۸۵

اس صفحے پر مولانا آزاد کے نام سے مندرجہ ذیل شعر نقل ہوا ہے:

قصد کرتا ہوں جو اس جا سے کہیں جانے کا دل یہ کہتا ہے کہ تو جا میں نہیں جانے کا

یہ شعر مولانا کا نہیں۔ مولانا نے اسے بہ تصرف استعمال کیا ہے۔ اس پر نوٹ (نمبر ۱۴) "کلام" کے ضمن میں ملاحظہ ہو۔

۹۔ اسی صفحے پر مولانا آزاد کی زبان سے جو یہ مصرع ادا ہوا ہے:

لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا:

اور اس کے جواب میں مولانا ظفر علی خاں نے ارتجالاً" فرمایا:

مے کشو شرم کہ اس پر بھی نہ پینا آیا:

درحقیقت یہ بات اس طرح نہیں کہ مولانا نے فی البدیہہ ایک مصرع کہا ہو اور مولانا ظفر علی خاں نے ارتجالاً" گرہ لگائی ہو اور اس طرح شعر کی تخلیق مکمل ہو گئی ہو۔ دراصل یہ پورا شعر کسی اور شاعر کا ہے۔ موقع و محل کے مطابق دونوں بزرگوں نے اس کے مصرعے برجستہ استعمال کیے تھے۔

ب: کلام

۱۔ م ت، ص ۲۸۷

غزل۔ ارمغان آزاد کی تالیف کے وقت اس غزل کے صرف چار شعر دستیاب ہوئے تھے جیسا کہ "دیوان آزاد میں ارمغان کے اس صفحے کے عکس سے ظاہر ہوتا ہے بعد میں اس غزل کے مقطع کے علاوہ تین شعر ارمغان فرخ (بمبئی) میں چھپے ہوئے مل گئے۔ اس طرح اب یہ غزل سات شعر کی ہو گئی۔ مکمل غزل "استدراک" کی حصہ "اضافہ" میں ملاحظہ ہو "ارمغان آزاد" کے آخری ایڈیشن میں اور اب "کلیات آزاد" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

یہاں اس کا صرف مطلع اور مقطع درج کیا جاتا ہے:

نشتر بہ دل ہے آہ کسی سخت جان کی — نکلی صدا تو فصد کھلے گی زبان کی

آزاد بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ — پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

۲۔ م ت، ص ۲۹۱

نعت (بہ قافیہ روی) کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ "مضامیں" ہے فضامیں، نہیں:

وصف نبیؐ سے نظم کی یہ برتری ہوئی — طوبیٰ کی طرح شاخ مضامیں ہری ہوئی

۳۔ م ت، ص ۲۹۳

غزل کے مطلع اول کے مصرع اولیٰ میں لفظ "میرے" نہیں "مرے" (بہ تخفیف حرف یاء ہے:

چھوڑا نہ غم نے کچھ بھی مرے جسم زار میں — اک جان ہے سو وہ بھی ترے انتظار میں

۴۔ م ت ،ص ۲۹۵

پہلے شعر کے مصرع اولیٰ میں لفظ "مزا" ہے "مزہ" املا درست نہیں:

۵۔ م ت ،ص ۲۹۶

اس صفحے کے آخری شعر کے مصرع ثانی میں لفظ "اک" ہے "ایک" نہیں:

میرا دل شگفتہ بھی اس نے پرو لیا　　اک پھول اور بڑھ گیا پھولوں کے ہار میں

۶۔ م ت ،ص ۲۹۸

غزل کی پانچویں شعر کے مصرع اولیٰ میں لفظ "ترا" ہے "تیرا" نہیں۔

کسی میں تو نظر آئے گا ترا جلوہ　　اسی خیال سے ہم ہر بشر کو دیکھتے ہیں

۷۔ م ت ،ص ۳۰۰

قطعہ فی البدیہ کے پہلے شعر کے مصرع ثانی میں لفظ "مرا" ہے "میرا" نہیں:

گرچہ ہے وعدہ خلافی مری ثابت تم پر　　اور وعدہ مرا پورا کبھی ہوتا ہی نہیں

۸۔ م ت ،ص ۳۰۳

قطعہ

چھیڑو نہ مجھے کہ ہم صفیر　　"مجھ مست کو مئے کی بو بہت ہے" مجھ سے نہ کہو افسانہ قیس
"دیوانے کو ایک ہو بہت ہے"

اس قطعے میں مولانا آزاد نے اپنے استاد حضرت امیر مینائی کے دو مصرعوں کو تضمین کیا ہے۔ مصرع ہائے غیر پر علامت تضمین ضروری ہوتی ہے۔

۹۔ م ت ،ص ۳۰۶

"تذکرہ صادقہ کی تاریخ مذکورہ میں تاریخ کی تخریج کے لیے یہ اشارہ ضروری ہے۔ اب تاریخ گوئی کا کمال شاذ کے درجے میں رہ گیا ہے اور تاریخ فہمی کا ذوق تو نہایت ہی پست ہو گیا ہے۔ تعمیہ تخریہ وغیرہ کے لیے ہے اس لیے اشارے کی ضرورت پیش آئی: ہے یہاں تعمیہ ہے:

چاپ کردند ایں کتاب نفیس　　فکر شاں راصد آفریں بادا
از لب ہاتف ایں ندا آمد　　سرمہ چشم ناظریں بادا

۱۰۔ م ت ،ص ۳۰۸

تقریظ بر تذکرہ صادقہ

یہ تقریظ مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کے ذخیرہ علمی سے مولانا آزاد کے قلم سے لکھی ہوئی دستیات ہوئی ہے (بہ شکریہ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی صاحب) اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ مولانا آزاد نے یہ شعر قلم زد کردیا ہے:

آن علم کہ زاں شود منور — ایں سینہ عالماں برتر

۱۱۔ م ت، ص ۳۰۸

اس تقریظ کا آخری شعر یہ ہے:

ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد — توقیع قبول روزلیش باد

یہ شعر امیر خسرو کا ہے۔ مثنوی لیلیٰ مجنون (قلمی) کا پہلا شعر مثنوی مخزونہ کتب خانہ اردو لغت بورڈ کراچی

۱۲۔ م ت، ص ۳۱۸

رباعی (فارسی) کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''بالاست'' ہے نہ کہ ''بالادست''

درد ہر زلطف اونہ شد تبعم سیر — بربالا روم کہ خود نہ بالاست نہ زیر

اے عمر برو برو کہ یاد تو زیاد — اے مرگ بیابیا کہ یاد تو بخیر

۱۳۔ م ت، ص ۳۲۲

رباعی (اردو)، مقدمہ کے ضمن میں (نمبر ۷) گزر چکا ہے کہ یہ رباعی مولانا آزاد کی نہیں، ان کے بھائی ابو النصر آہ کی ہے۔

۱۴۔ م ت، ص ۳۲۲

ابیات کا پہلا شعر:

قصد کرتا ہوں جو اس جا سے کہیں جانے کا — دل یہ کہتا تو جا میں نہیں جانے کا

یہ شعر در اصل حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں شہید کے پوتے نواب بہادر خاں ابن نواب ذوالفقار خاں کا ہے مولانا آزاد نے اسے بہ تصرف استعمال کیا ہے۔ اصل شعر اس طرح ہے:

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا — دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا

نواب بہادر خاں کا تخلص معروف تھا اور جرت سے رشتہ تلمذ رکھتے تھے۔ نواب صاحب کو بہ جرم حریت پروری ۲۴۔ مارچ ۱۸۶۰ء کو بریلی میں انگریزوں نے پھانسی دے دی تھے۔ حسرت موہانی نے

معروف گا یہ شعر ان کے دیوان کے انتخاب میں لیا ہے۔ حاشے کی سطرے میں صحیح جملہ اس طرح "....."

۱۵۔ م ت، ص ۳۲۳

مضمون کے خاتمے پر دوسرا مصرع بہ تصرف.......

۱۶۔ م ت، ص ۳۲۴

غزل کا پہلا شعر مطلع نہیں ہے۔ شعر نمبر ۲، ۳ مطلع اول و ثانی ہیں پہلے شعر کو اصل ماخذ (ڈائری رنجور مرحوم مخزونہ کتب خانہ خدا بخش، پٹنہ) میں اندراج کے مطابق غزل کا تیسرا شعر سمجھنا چاہیے۔

۱۷۔ م ت، ص ۳۲۷

اسی غزل کے ساتویں شعر (دیوان کی ترتیب کے مطابق) کا پہلا مصرع اس طرح ہے:

اس کا گھر، اس کا تصور، اس کی یاد، اس کا خیال یا ہماری آنکھ میں ہے یا ہمارے دل میں

۱۸۔ اس غزل کے اکیسویں شعر کا مصرع اولیٰ اس طرح ہے:

دختِ رز کا ذکر ہے یاں، حور کا ہے واں بیاں میکدے میں ہے وہی جو شیخ کی محفل میں

۱۹۔ م ت، ص ۳۲۹

اسی غزل کے اتیسویں شعر کا مصرع اولیٰ اس طرح ہے:

واہ کیا خوب آپ نے سیکھی ہے یہ تیر ا فگنی (۳) زہ میں ہے سوفار اور پیکاں ہمارے دل میں ہے (۱)

ج: اضافہ

جو کلام مجھے "ارمغان آزاد" کی اشاعت ثانی کے وقت دستیاب ہوا اور ارمغان آزاد کے تیسرے ایڈیشن میں شامل کیا ہے۔ یہاں "دیوان ابوالکلام آزاد" (مرتبہ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل) کی تکمیل کے خیال سے مرتب کر دیا جاتا ہے۔ یہ کل سات اضافہ جات ہیں:

(۱) ارمغان فرخ (بمبئی) بابت جنوری ۱۸۹۹ء اور دیگر ماخذ سے مرتبہ مکمل غزل مشتمل بر سات اشعار، دیوان ابوالکلام آزاد کی پہلے چار اشعار کی غزل کی جگہ

(۲) ارمغان فرخ بابت فروری ۱۸۹۹ء سے دریافت شدہ ایک غزل جو ارمغان آزاد اور دیوان ابوالکلام آزاد میں شامل نہیں۔ (چار شعر)

(۳) قطعہ تاریخ وفات امیر مینائی (نو شعر)

(۴) قطعہ تاریخ وفات مولوی احمد کبیر (نو شعر)

(۵) ایک شعر بہ حوالہ اثر بن یحیٰی

ساقی نامہ کے دو شعر بہ حوالہ خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ

(۷) ایک شعر (فارسی) محترمی حکیم نصیرالدین اجمیری صاحب (کراچی) کی عنایت سے اضافہ ہوا ہے (بہ شکریہ محترم سید محمود احمد برکاتی) ۔(۲)

حاشیہ

(۱) نمبر ۱۷، ۱۸ و ۱۹ کے ذیل میں مصرعوں میں کتابت کی اغلاط کی تصحیح کے ساتھ 'ان کے مصرع ہائے ثانی بھی درج کردیے ہیں' تاکہ قارئین کرام مکمل شعر کا لطف بھی اٹھا سکیں (ا۔ س۔ ش)

نوٹ (۱) یہ مضمون خدا بخش لائبریری جرنل نمبر ۱۰۵ میں شائع ہوا تھا۔ یہاں نظر ثانی کے بعد شامل کیا گیا ہے (ا۔ س۔ ش)

(۲) ارمغان آزاد کے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد جو کلام دستیاب ہوا تھا۔ اس کی نشان دہی اس مضمون میں نہیں کی گئی۔ اسے "کلیات آزاد" میں ملاحظہ فرمائیے (ا۔ س۔ ش)

مطبوعات مولانا آزاد صدی

مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ جشن پیدائش کی تقریب میں
مولانا مرحوم کی شخصیت و افکار اور عہد پر علمی، ادبی، تاریخی مطالعے اور جائزے
برعظیم پاک و ہند کے ممتاز اہل علم اور اصحاب فکر کے قلم سے

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد (شخصی مطالعہ): از ڈاکٹر شیر بہادر خان پنّی۔ مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت اور افکار و خدمات کے بارے میں مصنف کا مطالعہ اور تاثرات صفحات: ۱۱۲، قیمت: ۳۵ روپے (مجلد)

۲۔ امام الہند مولانا آزاد: از مولانا امداد صابری۔ مولانا کی ہمہ جہت شخصیت، خصائصِ فکر، کمالِ اخلاق و تہذیب، محاسنِ سیرت اور ان کے علمی و عملی کارناموں کا تعارف۔ صفحات: ۳۰۴، قیمت: ۸۰ روپے (مجلد)

۳۔ اردو کا ادیب اعظم: از عبدالماجد دریابادی۔ مولانا آزاد سے متعلق مصنف کے مضامین، تقاریر، شذرات، کتابوں پر تبصرے اور دونوں کے مابین مراسلت کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۶۰، قیمت: ۴۰ روپے (مجلد)

۴۔ خطوط ماجدی: مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے علمی، ادبی، لسانی اور نجی کے تین سو خطوط اور مشاہیر کے بارے میں جنس پیغامات کا مجموعہ۔ صفحات: ۲۷۲، قیمت: ۷۰ روپے (مجلد)

۵۔ ابوالکلام آزاد: مرتبہ عبداللہ بٹ۔ مولانا آزاد پر مشاہیر علم و سیاست کے مضامین کا مجموعہ۔ پہلی اشاعت: ۱۹۴۳ء اہم اضافوں کے ساتھ آزاد صدی ایڈیشن۔ صفحات: ۱۵۲، قیمت: ۴۵ روپے (مجلد)

۶۔ آسپکٹس آف ابوالکلام آزاد (انگریزی): مرتبہ عبداللہ بٹ۔ مشاہیر و معاصرین علم و سیاست کے مضامین کا مجموعہ۔ آزاد صدی ایڈیشن۔ اہم اضافوں کے ساتھ۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۴۵ روپے (مجلد)

۷۔ مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت، سیرت اور کارنامے): مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ مولانا آزاد کی سیرت اور علمی، ادبی و سیاسی خدمات پر مقالات، تبصرے اور تقریر۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۴۰ روپے (مجلد)

۸۔ ابوالکلام و عبدالماجد (ادبی معرکہ): از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ الہلال کی ایک ادبی لسانی بحث کی روداد اور اجزائے بحث کی تدوین و محاکمہ۔ صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۴۵ روپے (مجلد)

۹۔ ابوالکلام آزاد ... ایک مطالعہ: مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ مولانا آزاد کی شخصیت اور بہ حیثیت ادیب، خطیب، صحافی، عالم دین، سیاسی افکار و خدمات کا تعارف و تبصرہ۔ صفحات: ۲۴۸، قیمت: ۷۰ روپے (مجلد)

۱۰۔ انجمن خدام کعبہ (تاریخ اور مقاصد و خدمات): از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ بیسویں صدی کی پہلی اسلامی انقلابی تحریک پر ناقدانہ نظر، ایثار ملی اور عبرت کا ایک متاثر کن منظر۔ صفحات: ۱۱۲، قیمت: ۳۵ روپے (مجلد)

۱۱۔ اردو کی ترقی میں مولانا ابوالکلام آزاد کا حصہ: از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ اردو کی علمی ترقی، فروغ اور لسانیات میں مولانا آزاد کی خدمات اور افکار کا تعارف۔ صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۴۵ روپے (مجلد)

۱۲۔ پیغام کلکتہ (۱۹۲۱ء): آل انڈیا خلافت کمیٹی کا ترجمان، زیر نگرانی: مولانا ابوالکلام آزاد، زیر ادارت: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔ تاریخِ ملت اسلامیۂ ہند کا ایک اہم ماخذ (عکسی اشاعت)۔ صفحات: ۲۰۸ (بڑا سائز)، قیمت: ۱۵۰ روپے (مجلد)

۱۳۔ مولانا حسرت موہانی --- مجاہد آزادی کامل: از شفقت رضوی۔ مکمل آزادی کے لیے مولانا حسرت کی مجاہدانہ سرگزشت مع ۱۹۲۱ء کا ضبط شدہ خطبۂ صدارت (عکس)۔ صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۴۵روپے (مجلد)

۱۴۔ میر کارواں مولانا ابوالکلام آزاد: از ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی۔ مولانا آزاد کی زندگی، سیرت اور افکار وخدمات پر مشاہدے، مطالعے اور تحقیق کا حاصل۔ صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۴۵روپے (مجلد)

۱۵۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے معاصرین: مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ نو معاصر مشاہیر سے مولانا آزاد کے تعلقات وروابط کی داستان اور افکار وسیرت کا موازنہ۔ صفحات: ۱۷۸، قیمت: ۷۵ روپے (مجلد)

۱۶۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی۔ ایک سیاسی مطالعہ: از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ شیخ الہند کی سیاسی خدمات پر تبصرہ اور سیاسی خطبات، فتووٰں اور خطوط کا مجموعہ۔ صفحات: ۱۷۸، قیمت: ۵۱ روپے (مجلد)

۱۷۔ افادات آزاد: مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ ادبی ومذہبی استفسارات کے جوابات وملفوظات کا فکر انگیز مجموعہ۔ تصحیح واضافہ شدہ آزاد صدی ایڈیشن۔ صفحات: ۲۰۰، قیمت: ۶۰ روپے (مجلد)

۱۸۔ تحریک ہجرت: از ڈاکٹر معین الدین عقیل، مرتبہ: شاہد حسین خان۔ ۱۹۲۰ء میں برعظیم پاک وہند سے ہجرت افغانستان کی تاریخ اور افکار و دستاویزات۔ ایک عظیم قومی عمل کی عبرت انگیز روداد۔ صفحات: ۱۹۴، قیمت: ۵۰ روپے (مجلد

۱۹۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ: از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ ساتویں صدی ہجری کے عظیم محدث، مصلح، مجدد اور مجاہد کی زندگی اور کارناموں کا تذکرہ۔ صفحات: ۱۱۶، قیمت: ۳۵ روپے (مجلد)

۲۰۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت: از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ مولانا آزاد کی صحافت کے خصائص اور خدمات کا جامع تذکرہ۔ اخبارات کے مضامین کے اشاریے۔ صفحات: ۲۴۳، قیمت: ۶۵روپے (مجلد)

۲۱۔ ایک علمی خاندان: از شفقت رضوی۔ مولانا آزاد، ان کے والد، ہمشیرگان، برادرِ بزرگ، اہلیہ، خسر اور برادرِ نسبتی کے حالات اور علمی ادبی خدمات کا تذکرہ۔ صفحات: ۲۶۶، قیمت: ۷۰ روپے (مجلد)

۲۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد (آثار وافکار): مرتبہ ومؤلفہ پروفیسر محمود واحد ہاشمی۔ مولانا آزاد کے شاگرد ایم ای زکریا کے نام مولانا کے خطوط، مولانا سے متعلق ڈائری اور انٹرویو مع تبصرہ۔ صفحات: ۱۲۰، قیمت: ۴۰روپے (مجلد)

۲۳۔ ارمغان آزاد: مولفہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ مولانا آزاد کا کلام اور ۱۹۱۰ء تک کے دستیاب شدہ مضامین کا مجموعہ۔ مع تنقید وتبصرہ۔ صفحات: ۲۵۰، قیمت: ۷۵ روپے (مجلد)

۲۴۔ انڈیا ونس فریڈم (اردو): از ابوالکلام آزاد، راوی پروفیسر ہمایوں کبیر، مترجم: محمد مجیب، تکمیل ترجمہ تیس صفحات اور حواشی ومقدمہ از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ صفحات: ۴۴۸، قیمت: .... روپے (مجلد)

مکتبہ رشیدیہ عائشہ منزل اردو بازار کراچی